لباس اور پردہ

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ
فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ

لِباس

لباس التقوىٰ

ولباس التقوی ذلک خیر

تحقیق و تخریج سے مزین ایڈیشن

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور • کراچی
اسلام آباد • لندن • ہیوسٹن • نیو یارک

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پرنس عبدالعزیز بن جلاوی سٹریٹ پوسٹ بکس: 22743 الرّیاض: 11416 سعودی عرب

فون: 4033962-4043432 1 00966 فیکس: 4021659 www.darussalamksa.com

Email: darussalam@awalnet.net.sa info@darussalamksa.com

الرّیاض • العلیا۔ فون: 4614483 1 00966 فیکس: 4644945 • الملز فون: 4735220 1 00966 فیکس: 4735221
• سویدی فون: 4286641 1 00966 • سویلم فون/فیکس: 2860422 1 00966

جدّہ فون: 6879254 2 00966 فیکس: 6336270 مدینہ منورہ فون: 8234446,8230038 4 00966 فیکس: 8151121 04

الخُبر فون: 8692900 3 00966 فیکس: 8691551 3 00966 خمیس مشیط فون/فیکس: 2207055 7 00966

ینبع البحر فون: 0500887341 فیکس: 8691551 قصیم (بریدہ) فون: 0503417156 فیکس: 3696124 6 00966

امریکہ • نیویارک فون: 5925 625 718 001 • ہوسٹن: 0419 722 713 001 کینیڈا • نصیرالدین الخطاب فون: 4186619 416 001

لندن • دارالسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز لمیٹڈ فون: 77252246 20 0044-85394885 20 0044 • دارمکہ انٹرنیشنل: 7739309 0121 0044

متحدہ عرب امارات • شارجہ فون: 5632623 6 00971 فیکس: 5632624 فرانس فون: 52928 480 01 0033 فیکس: 52997 480 01 0033

انڈیا • دارالسلام انڈیا فون: 45566249 44 0091 موبائل: 12041 98841 0091 • اسلامک بکس انٹرنیشنل فون: 4180 2373 22 0091
• ہُدیٰ بک ڈسٹری بیوٹرز فون: 4892 2451 40 0091 موبائل: 30850 98493 0091 • ایم/ایس براک انٹر پرائزز فون: 42157847 44 0091

سری لنکا • دارالکتاب فون: 358712 115 0094 • دارالایمان ٹرسٹ فون: 2669197 114 0094

پاکستان ہیڈ آفس و مرکزی شوروم

لاہور 36- لوئر مال۔ سیکرٹریٹ سٹاپ۔ لاہور فون: 00 4 32 372,24 400 372,34 240 373 42 0092 فیکس: 72 540 373 042

• غزنی سٹریٹ' اردو بازار' لاہور فون: 54 200 371 42 0092 فیکس: 03 207 373 042

• Y بلاک، گول کمرشل مارکیٹ، دکان: 2 (گراؤنڈ فلور) ڈیفنس، لاہور فون: 10 926 356 42 0092

کراچی مین طارق روڈ۔ ڈالمن مال سے (بہادر آباد کی طرف) دوسری گلی کراچی فون: 36 939 343 21 0092 فیکس: 37 939 343 21 0092

اسلام آباد F-8 مرکز، اسلام آباد فون/فیکس: 13 815 22 51 0092

info@darussalampk.com | www.darussalampk.com

مضامین

عرضِ ناشر 11
حرفِ اوّل 15

لِباس

باب اوّل

لباس کے عمومی احکام و مسائل

■ لباس اور بود و باش میں غیروں کی مشابہت سے اجتناب کا حکم 28
■ اللہ کے حکم کو اہمیت نہ دینا 30
■ اسلامی غیرت اور قومی حمیت وعصبیت کا فقدان 31
■ لباس کی اہمیت کے منکروں سے ایک تجربہ کرنے کی اپیل 31
■ لباس کے بارے میں اسلام کی تعلیمات و ہدایات کی تفصیل 32
■ کافروں کے لباس کی ممانعت 32
■ اسکولوں کی یونیفارم کا مسئلہ 34
■ چھوٹے بچے اور بچیوں کے لباس کا مسئلہ 36
■ مردوں کے لیے ریشمی لباس حرام ہے 37
■ ریشمی گدے اور گدیاں بھی ممنوع ہیں 38
■ زعفرانی رنگ بھی مردوں کے لیے ممنوع ہے 38

- تصویر والے پردے لٹکانا یا تصویریں لگانا ممنوع ہے 38
- تصویر والے کپڑے کے گدے بنائے جا سکتے ہیں 40
- مردوں کے لیے ٹخنوں سے نیچے پاجامہ اور شلوار وغیرہ لٹکانا حرام ہے 40
- ایک ضروری وضاحت 42
- اسبالِ ازار کئی گناہوں کا مجموعہ ہے 44
- عُجب اور تکبر ہر حال میں اور ہر صورت میں ناپسندیدہ ہے 46
- فخر و غرور کے بارے میں سخت وعید 47
- دو اصول، اسراف ہو، نہ تکبر 49
- سادگی اختیار کرنے کی اور ناز و نعمت سے اجتناب کی تلقین و تاکید 50
- سادگی اور تجمل و آرائش کے درمیان اعتدال کی تاکید 51
- سادگی اور آرائش کی پسندیدہ اور ناپسندیدہ صورتیں 52
- شلوار، قمیص بہت پسندیدہ لباس ہے 55
- درندوں اور چیتوں کی کھالوں کا لباس اور زین پوش ممنوع ہے 55
- انگوٹھی پہننے کا مسئلہ 56
- سونے کے علاوہ دوسری دھاتوں کی انگوٹھی پہننے کا جواز 58
- سفید رنگ کا لباس اور کفن پسندیدہ ہے 59
- دوسرے رنگوں کا لباس 60
- جوتے پہننے اور اتارنے کا طریقہ 60
- ہر اچھے معاملے میں دائیں جانب کا اختیار کرنا پسندیدہ ہے 61
- دو طرح کا لباس ممنوع ہے 62
- ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر لیٹنا بھی ممنوع ہے 63
- عورتوں کی مشابہت اختیار کرنا ممنوع ہے 64

■ محنت اور اس کا حکم 65
■ سر کو ڈھانپ کر رکھا جائے یا ننگا؟ 66
■ ایک ضروری وضاحت 68
■ ڈاڑھی رکھنے کا وجوب اور اس کی فرضیت 74
■ ڈاڑھی رکھنے کی بابت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین 77
■ ڈاڑھی کی مقدار کا مسئلہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا فعل 78
■ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے فعل کی بعض توجیہات 79
■ جامع ترمذی کی روایت سے استدلال؟ 80
■ ڈاڑھی نہ رکھنے کے حیلے بہانے، شیطانی وسوسے اور دل بہلاوے 81
■ ڈاڑھی کے رنگنے کا مسئلہ 85
■ سر کے بال 88
■ قزع کی ممانعت اور اس کا مصداق 92
■ موزے اور جرابیں 93
■ موزوں اور جرابوں پر مسح کرنے کا بیان 91
■ جرابوں پر مسح کرنے کی واضح روایت 95
■ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل 96
■ مَسح کرنے کی مدت 97

باب دوم

عورتوں کا لباس

■ احکام مشترکہ 99

- مباحات (جائز امور) 100
- ممنوعات و واجبات 101
- پردے کا حکم 101
- عورتوں کو سر کے بال مُنڈانے کی ممانعت 105
- عورتوں کا فیشنی بال رکھنے کی حیثیت 107
- ازواج مطہرات کے عمل سے استدلال اور اس کی حقیقت 107
- مرد اور عورت کے لیے نماز کا لباس 108
- احرام کا لباس 109
- چھوٹے بچے، بچیوں کا لباس 110
- شادی بیاہ کا لباس 110
- نیا لباس پہننے کی دعا 111

پردہ

- مقدمہ 115

باب اوّل

چہرے کے پردے کا وجوب

- قرآن حکیم سے چند دلائل 119
- سنت مطہرہ سے چند دلائل 127
- وجہِ استدلال 128
- قیاس صحیح کی رو سے پردے کا وجوب 135

باب دوم

عریاں چہرے کے نقصانات

- فتنے میں پڑنا 137
- شرم وحیا کا جاتے رہنا 137
- مردوں کا فتنے میں مبتلا ہونا 137
- مرد وعورت کا آزادانہ میل جول 138

باب سوم

چہرے کے پردے کو واجب نہ سمجھنے والوں کے دلائل اور ان کا جواب

- پردے کو واجب نہ سمجھنے والوں کے دلائل 145
- مذکورہ بالا دلائل کا جواب 147

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت رحم کرنے والا خوب مہربان ہے

عرضِ ناشر

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو فرد اور معاشرے دونوں کے لیے ایسی تعلیمات اور احکام پیش کرتا ہے جن پر عمل کرنے کے نتیجے میں ایک صالح فرد اور پاکیزہ معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ اس کی معاشرتی تعلیمات کا دائرہ خصوصیت سے لائقِ ذکر ہے۔ کتاب وسنت میں مرد اور عورت کے تعلقات کی فطری حدود بتا دی گئی ہیں اور ان تعلقات کی شرعی حدود بھی نمایاں کر دی گئی ہیں۔ اسلام کی کچھ تعلیمات تو ایسی ہیں کہ وہ مرد و زن دونوں کے لیے لازمی اور مشترک ہیں، جیسے لباس کے مسائل کا تعلق ہر دو صنفوں سے ہے، مگر عائلی اور معاشرتی زندگی کی کچھ تعلیمات ایسی ہیں جن کا تعلق صرف خواتین سے ہے۔ ایسے مخصوص نسوانی مسائل میں ایک اہم ترین موضوع پردے اور حجاب سے تعلق رکھتا ہے۔

جہاں تک لباس کا تعلق ہے سورۂ اعراف میں لباس کو بنی آدم کے لیے ستر اور زینت کا باعث قرار دیا گیا ہے، نیز یہ کہا گیا ہے کہ پرہیزگاری کا لباس بہت بہتر ہے۔ اس فرمودۂ الٰہی کی روشنی میں ہمیں ساتر، آرام دہ اور صاف ستھرا لباس زیبِ تن کرنا چاہیے اور لباس کی ساخت اور تراش خراش میں غیر مسلموں کی پیروی سے احتراز کرنا چاہیے۔ لباس کے موضوع پر فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ کی زیرِ نظر فاضلانہ تصنیف اپنے موضوع پر نہایت

مفید ہے۔

قرآن مجید کی سورۂ نور اور سورۂ احزاب کی متعدد آیات میں پردے کی اہمیت اور مسائل کو واضح کر دیا گیا ہے۔اس ضمن میں صدر اوّل کا اسلامی معاشرہ اپنے مدنی دور میں لباس اور حجاب کے اسلامی احکام کی پابندی کی جو قابل تقلید مثالیں پیش کرتا ہے اُن کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام عورتوں کی عزت و عصمت اور عفت و ناموس کی نگہداشت کو کتنی زبردست اہمیت دیتا ہے۔

کتاب وسنت کے احکام کی پیروی میں صدیوں تک اسلامی مملکتوں میں پردے کی روایت مستحکم رہی۔ لیکن اٹھارویں صدی عیسوی میں جب مغرب نے اسلامی ممالک میں اپنا نوآبادیاتی نظام مسلط کیا تو اس کے استحکام کے لیے سامراجیوں نے ہمارے تعلیمی اداروں پر بھی قبضہ جمانا شروع کیا جس کے نتیجے میں ہمارے ہاں مخلوط معاشرے کا آغاز ہوا۔مخلوط تعلیمی اداروں اور مخلوط تعلیمی ماحول کی حوصلہ افزائی کی گئی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے تعلیمی اداروں، ہسپتالوں، دفتری ماحول اور عام معاشرتی زندگی میں بے پردگی کا زہر پھیلنے لگا۔ بے پردگی کی یہ لعنت بہ استثنائے چند، تمام اسلامی ممالک میں ایک وبا کی شکل اختیار کر چکی ہے۔بعض حالات میں تو بے پردگی کے زینے پر سوار خواتین بے حیائی کے دائرے میں داخل دکھائی دیتی ہیں۔عورت کا وہ فطری سولہ سنگھار جسے گھر کی چار دیواری میں سِوائے شوہر کے کسی اور کو نظر نہیں آنا چاہیے، وہ اپنی فطری حدود و قیود سے نکل کر اخباروں اور بازاروں تک پہنچ گیا ہے۔ الیکٹرانک میڈیا کے کمالات نے جلتی پر تیل ڈال کر اس منظر کو حیا سوز حد تک بڑھا دیا ہے۔

بے پردگی کی اس عام فضا سے بہت سے اہلِ علم بھی متاثر ہوئے اور انھوں نے جدت پسندانہ طبیعت کے باعث ایسے مباحث کا آغاز کیا جن میں پردے کے واجب یا مستحب

ہونے کے بارے میں استدلال پیش کیا جانے لگا۔ کچھ حضرات دور کی کوڑی یہ لائے کہ پردہ تو بس علاقائی رسم و رواج سے تعلق رکھتا ہے، لہٰذا جس علاقے میں پردے کو رسم و رواج یا روایت کے طور پر اختیار کیا گیا ہو، بس وہیں اس کا اہتمام ہونا چاہیے۔ اس ضمن میں سب سے خوف ناک مبحث وہ ہے جس میں بعض فقہاء نے چہرے کے پردے کو غیر ضروری قرار دے دیا اور یوں تجدد کی ایک ایسی فضا کی حمایت کی جس کے باعث نفس انسانی کو جو پہلے ہی کمزور واقع ہوا ہے، نفسانی ترغیبات کی وہ غذا فراہم ہوگئی جو اب ایک مستقل فتنہ بن گئی ہے۔

بے پردگی کی اس صورتِ حال کا جائزہ لیتے ہوئے عالم اسلام کے ایک بطل جلیل فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ نے ایک مختصر مگر جامع رسالہ پردے کی حمایت میں تحریر کیا اور اس کے لیے ایک ایسا ٹھوس اور مسکت طرزِ استدلال اختیار کیا کہ ہر وہ فرد جو کتاب و سنت کی حجیت اور قطعیت پر یقین رکھتا ہے، اس کے لیے اپنے گھر کی چار دیواری کے اندر اور باہر پردے کا اہتمام ضروری ٹھہرتا ہے۔ اس فکر انگیز تحریر کے مطالعے سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ پردہ کسی فرد اور معاشرے کو متوازن بنانے میں کیا کردار ادا کرتا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ دخترانِ اسلام اس کے مطالعے سے نہ صرف خود حجاب اختیار کر کے اپنی عفت مآبی کا یقینی سامان فراہم کریں گی بلکہ وہ اس کی حمایت میں ایک جامع تحریک بھی پیدا کر دیں گی۔ اس مفید تحریر کا اردو ترجمہ فضیلۃ الشیخ حافظ عبدالرشید اظہر حفظہ اللہ نے کیا ہے جس کے باعث اس کے اسلوب میں شگفتگی اور مطالب میں روانی پیدا ہوگئی ہے۔ قرآن و حدیث کے گرانمایہ دلائل اور سادہ مگر مخلصانہ اسلوب تحریر نے اس کتاب کو منفرد حیثیت عطا کر دی ہے۔

دارالسلام کی یہ کوشش ان شاء اللہ مسلمان گھرانوں میں وہ فضا پیدا کرے گی جس کے نتیجے میں حجاب اور اسلامی لباس کا مسئلہ ایک تحریک کی شکل اختیار کر کے اسلامی

معاشروں کو ایک حیا آموز ماحول فراہم کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرما کر اسے امت مسلمہ کے لیے زیادہ سے زیادہ مؤثر اور نفع بخش بنائے۔ آمین!

خادمِ کتاب وسنت

عبدالمالک مجاہد

مدیر: دارالسلام۔ الریاض، لاہور

رجب 1427ھ / اگست 2006ء

حرفِ اوّل

اسلام کا ایک اعزاز اور امتیاز یہ ہے کہ یہ ایک مکمل دین ہے، اس میں دین و دنیا کی جامعیت بھی ہے اور زمانے اور زندگی کے ہر شعبے کے لیے مکمل رہنمائی بھی۔ اس کا جس طرح ایک نظام عبادت ہے، اسی طرح ایک نظام زندگی اور دستورالعمل بھی ہے۔

اس نظامِ زندگی میں سیاست و معیشت سے لے کر تہذیب و تمدن اور معاشرت تک، سارے ہی معاملات کے لیے ہدایات و تعلیمات دی گئی ہیں لیکن المیہ یہ ہے کہ مسلمان صرف نام کے مسلمان رہ گئے ہیں اور انھوں نے اپنے تمام شعبہ ہائے زندگی سے اسلام کو نکال باہر کیا ہے اور غیروں کی نقالی اور ان کی دریوزہ گری ہی کو اپنا شعار بنا لیا ہے حالانکہ اسلام نے غیروں کی مشابہت اور نقالی سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے۔ مگر اب نقالی کی یہ عادت اتنی پختہ ہوگئی ہے کہ اسے غلط اور گناہ سمجھنا بھی چھوڑ دیا گیا ہے اور یوں ہماری خوئے غلامی نہایت مستحکم ہوگئی ہے، اس کی تفصیلات بہت وسیع بھی ہیں اور نہایت المناک بھی۔ جس کے اظہار کی یہاں گنجائش نہیں۔

انھی امورِ متروکہ میں ایک مسئلہ لباس و معاشرت کا ہے حالانکہ انسانی معاشرت میں لباس کی بڑی اہمیت ہے۔ اسی سے کسی قوم یا کسی مذہب کے ماننے والوں کا تشخص قائم ہوتا اور

برقرار رہتا ہے۔ لیکن ہم مسلمان اس ظاہری تشخص سے بھی عاری ہوگئے ہیں اور یوں بقول علامہ اقبال، ہمارا حال یہ ہوگیا ہے ۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود

اس لیے ضرورت سمجھی گئی کہ لباس کے مسئلے کی اہمیت اور کافروں کی مشابہت کی شناعت اور قباحت واضح کرکے لباس کے بارے میں اسلامی ہدایات وتعلیمات اُجاگر کی جائیں۔

زیر نظر کتاب کا پہلا حصہ لباس ہی کے احکام و مسائل اور آداب پر مشتمل ہے جو محترم حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ کا مرتب کردہ ہے۔ یہ اپنے موضوع پر نہایت مفید کاوش ہے اور ایک منفرد انداز کی حامل ہے۔ اللہ تعالیٰ فاضل مؤلف کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور جزائے خیر سے نوازے۔ جزاہ اللّٰہ عنا وعن جمیع المسلمین خیر الجزاء

اس کتاب کا دوسرا حصہ پردے کے مسئلے پر ہے، جس کا تعلق خاص طور پر مسلمان عورت سے ہے۔ عورت کے سلسلے میں اسلام نے چند خصوصی ہدایات دی ہیں جن پر عمل پیرا ہوکر وہ اسلامی تہذیب وثقافت کی سب سے مؤثر ومؤقر امین ومحافظ بن سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی فطرت میں ایسے حسین وجمیل عناصر گوندھ دیے ہیں جن کے باعث وہ حصنِ نکاح میں داخل ہوکر اپنے خاوند کی تسکین وطمانیت کی سب سے اچھی متاع بھی بن سکتی ہے اور فتنہ وفساد کی ہر شکل سے محفوظ بھی ہوسکتی ہے۔ کسی عورت کے وجود میں سب سے قیمتی اور اہم چیز کا نام حیا ہے جس کے بغیر عورت، عورت نہیں رہتی، اس کے علاوہ سب کچھ ہوسکتی ہے۔ جذبۂ حیا کو جو چیزیں محفوظ اور مستحکم کرسکتی ہیں، ان میں سب سے اہم عامل پردے کی تعلیم ہے۔

کتاب وسنت میں پردے کے موضوع پر محکم اور مستند دلائل فراہم کیے گئے ہیں۔ ان نصوص کا مطالعہ کرتے ہوئے پردے کی صحیح نوعیت، حقیقت اور کیفیت کو سمجھا جا سکتا ہے مگر

مغربی تہذیب نے عورت کو نیلام کا مال بنا کر اب اس کے وجود کو تجارتی گرم بازاری پیدا کرنے کا ذریعہ بنا لیا ہے، جس کے نتیجے میں مغربی ممالک اور معاشروں میں فتنہ وفساد کا ایسا سیلاب اُمنڈ آیا جس کی لہریں عفت وعصمت اور شرم وحیا کی سب اقدار کو بہا کر لے گئی ہیں۔ اس مغربی تہذیب نے جب استعمار کا روپ دھارا اور اسلامی ممالک پر اپنا غاصبانہ قبضہ جما لیا، تو دیکھتے ہی دیکھتے یہاں بھی بہت سے خاندان مغربی تہذیب کی چکاچوند سے متاثر ہو کر اپنی اسلامی اقدار سے دور اور محروم ہوتے چلے گئے۔

مغربی تہذیب کے زیرِ اثر جن دینی اور معاشرتی اقدار سے دوری اور محرومی ہوئی، ان میں سے ایک پردے کی نعمت بھی ہے۔ اٹھارویں صدی عیسوی میں مسلم خاندانوں کی اکثریت حجاب اور پردے کی اقدار کی حفاظت کرتی دکھائی دیتی ہے مگر گزشتہ تین صدیوں سے دینی اقدار سے غفلت کے نتیجے میں اب صورت حال اس کے برعکس ہے۔ سعودی عرب اور افغانستان و ایران کے استثنا کے ساتھ بلادِ اسلامیہ میں ہر جگہ بے پردگی ایک وبا کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ الیکٹرانک میڈیا نے بے حیائی کے اس سیلاب میں زبردست تموج پیدا کر دیا ہے۔ صورت حال اب بے پردگی سے آگے نکل کر بے حیائی کی حدوں کو چھو رہی ہے۔

جدید مادی تہذیب نے اقتصادی ترقی کے نام پر عورت کو گھر سے نکال کر دفتر اور فیکٹریوں تک پہنچا دیا ہے۔ اس سے اقتصادی صورت حال میں کس قدر بہتری پیدا ہوئی ہے؟ اہل فکر ونظر اس سے بخوبی آگاہ ہیں مگر اس سے معاشرتی، خاندانی اور عائلی زندگی میں جو شدید نقصانات ہوئے ہیں، وہ اظہر من الشّمس ہیں۔ نئی نسل اور بچے صالح تربیت سے محروم ہو کر ایک ایسی مادر پدر آزاد زندگی گزارنے پر مجبور ہیں جس کے باعث ان میں حیوانی قدریں فروغ پا رہی ہیں۔ زندگی کے کسی بڑے اور اخلاقی مقصد اور نصب العین سے محروم معاشرے میں وہ حشرات الارض کی طرح پرورش پاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی پاک زمین کو فتنہ وفساد

کی آماجگاہ بنا رہے ہیں۔ ''اسلامی ریاستیں اور حکومتیں'' ان نسلوں کی اخلاقی تربیت کے لوازم فراہم کرنے کے بجائے، ان کی فتنہ سامانیوں اور حشر خیزیوں سے نپٹنے کے لیے پولیس فورس میں توسیع، عدالتوں میں زیادہ سے زیادہ ججوں کے تقرر اور جیل خانوں کی تعداد میں اضافے پر مطمئن ہیں۔ اگر یہی صورت حال جاری رہی تو پورا معاشرہ ایک ناسور اور جہنم زار بن جائے گا۔ اس اندوہ ناک صورت حال سے بچنے کی ایک ہی تدبیر ہے کہ خالقِ کائنات نے انسانوں کی تعلیم و تربیت کے لیے جو وحی کا سامان فراہم کیا ہے اور اپنے آخری رسول ﷺ کے فرمودات و اعمال کو اسوۂ حسنہ قرار دے کر جس طرح انسانیت کے سامنے رکھا ہے، اس پر صدق دل سے عمل کر کے اپنی سیرتوں اور صورتوں کا شرف و جمال محفوظ کیا جائے۔ اس تعلیم کا ایک اہم ترین باب پردے کا التزام ہے۔ بے پردگی، شیطانی فتنہ سامانیوں کا بہت بڑا دروازہ ہے جو ایک مرتبہ کھل جائے تو پھر کسی خباثت اور رذالت کو ننگا ناچ ناچنے میں رکاوٹ محسوس نہیں ہوتی۔

بے پردگی کے نمونے اور نتائج دیکھے جائیں تو ایک عجیب وغریب مخلوط معاشرہ دکھائی دیتا ہے، اور بے پردگی وہ وبا ہے جو ایک دفعہ تعلیم گاہوں اور سرکاری بارگاہوں میں اپنا مقام بنا لے تو پھر اس کے آثار و مظاہر ''میراتھن ریس'' اور بیہودہ نسوانی کیٹ واک کی شکل ہی میں سامنے آتے ہیں۔ اس لیے موجودہ بے پردگی کو روکنے اور پردہ دار ماحول پیدا کرنے کی ہمیں اشد ضرورت ہے۔ یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ اسلام عورتوں کی تعلیم کا سب سے بڑا حامی ہے مگر وہ کسی ایسی تعلیم کو پسند نہیں کرتا جس کے نتیجے میں مسلمان دوشیزائیں اپنی دینی اقدار سے محروم اور اسلامی تہذیب کی درخشاں روایات سے غافل ہو جائیں۔

علامہ محمد اقبال رحمہ اللہ نے ''ضربِ کلیم'' میں ''عورت'' کے عنوان سے جو چند نظمیں لکھی ہیں، ان میں سے ایک نظم ''عورت اور تعلیم'' ہے۔ اس بے مثل نظم میں وہ فرماتے ہیں ؎

تہذیبِ فرنگی ہے اگر مرگِ امومت
ہے حضرتِ انساں کے لیے اس کا ثمر موت
جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اسی علم کو اربابِ نظر موت
بیگانہ رہے دیں سے اگر مدرسۂ زن
ہے عشق و محبت کے لیے علم و ہنر موت

قرآن مجید میں سورۂ نور کی آیات مقدسہ میں پردے کی نوعیت، اہمیت اور کیفیت کے بارے میں بھرپور تعلیم ملتی ہے جو اپنے حکم اور مزاج کے لحاظ سے نصوص کا درجہ رکھتی ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے بھی پردے کے احکام کے بارے میں جو تفصیلات بیان فرمائی ہیں ان میں کوئی ابہام یا تشنگی نہیں ہے مگر دور حاضر کے بعض دانشوروں نے چہرے کے پردے کو اسلامی پردے کا حصہ نہ سمجھ کر جس نئے فتنے کا دروازہ کھولا ہے، اسے بڑی توجہ اور سنجیدگی سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ان دانشوروں نے چہرے کو ڈھانپنے کے سلسلے میں بہت سی فقہی موشگافیاں پیدا کی ہیں جو براہ راست نصوص سے ٹکراتی دکھائی دیتی ہیں۔

ان میں پہلی بحث پردے کے واجب یا مستحب ہونے کے بارے میں ہے، پھر ایک نئی بحث یہ اٹھائی گئی ہے کہ آیا پردہ کسی علاقائی رسم و رواج سے تعلق رکھتا ہے؟ اس کے جواب میں وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ فی الواقع ایسا ہی ہے اور ساتھ ہی یہ ''اجتہاد'' فرمایا جاتا ہے کہ یہ اسی علاقے یعنی عرب کا رواج ہوسکتا ہے۔ دوسرے ممالک اور علاقوں کے لیے اس کا اہتمام ضروری نہیں۔

اسی قسم کے گمراہ کن دعووں اور مغالطوں کی وضاحت کے لیے پردے اور حجاب کے اسلامی تصور کے حوالے سے ایک ممتاز سعودی سکالر فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ

نے یہ ایک مختصر رسالہ تحریر کیا جس میں کتاب وسنت کی رُو سے اس کی شرعی اور اخلاقی حیثیت کو واضح کیا گیا ہے۔ اس کے مطالعے سے ان تمام اشکال واوہام کا ازالہ ہو جاتا ہے جو آج کے معاشرے میں پردے کے حوالے سے پائے جاتے ہیں۔ فاضل مصنف نے سب سے پہلے اس موضوع پر قرآن مجید کے دلائل پیش کیے ہیں، پھر سنّت مطہّرہ سے وہ تمام ضروری براہین فراہم کیے ہیں جو پردے کی فرضیت بالخصوص چہرے کے پردے کے بارے میں قولِ فیصل کا حکم رکھتے ہیں۔ انسانی جسم میں چہرے سے بڑھ کر اور کوئی حصہ جاذبِ توجہ نہیں۔ اگر اسی پُرکشش اور جاذبِ نظر حصے کو کھلا رکھنا ہے تو پھر باقی پردے کا تکلف کیوں گوارا کیا جائے۔ پردے کے بارے میں کتاب وسنت کی تمام تعلیمات واحکام کا جائزہ لیا جائے تو ہر ذی فہم اور ذی عقل انسان پردے کی حمایت کرے گا اور اس پردے میں چہرے کے پردے کو یقیناً اور حتماً شامل کرے گا۔

بے پردگی کا سیلاب ہمیں جن ہلاکتوں سے دوچار کر چکا ہے، وہ تو ہر ذی شعور پر واضح ہیں مگر اب دردمند مسلمانوں کے باغیرت اور باحیا حضرات کو پردے کے حق میں ایک تحریک پیدا کرنی چاہیے۔ میرے نزدیک اسلامی معاشروں میں عفت مآب مسلمان خواتین کی کمی نہیں، خود ان کے ذریعے سے معاشرے، بالخصوص تعلیمی، طبی اور سماجی اداروں میں جہاں مسلمان خواتین کام کر رہی ہیں، پردے کی روایت کو فروغ دینے کی کوشش کی جانی چاہیے اور اسے ایک تحریک بنا دینا چاہیے۔

یہ مختصر رسالہ، جسے فضیلۃ الشیخ حافظ عبدالرشید اظہر حفظہ اللہ نے بہت عمدگی سے سلیس اور شگفتہ اردو زبان کے قالب میں ڈھالا ہے، اس لائق ہے کہ اس کا سنجیدگی سے مطالعہ کیا جائے اور اسے عامۃ المسلمین میں عام کیا جائے۔ دارالسلام نے اس مفید رسالے اور ''لباس'' دونوں کی ''لباس اور پردہ'' کے نام سے اشاعت کا اہتمام کر کے اپنی اسلامی حمیت اور دینی شعور کا

ثبوت دیا ہے اور طباعتی حسن و جمال نے اس میں چار چاند لگا دیے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس تحریر کو عامۃ المسلمین کے لیے مفید بنائے، بالخصوص مسلمان ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

پروفیسر عبدالجبار شاکر

بیت الحکمت، لاہور

ارشاد باری تعالیٰ

یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ قَدۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکُمۡ لِبَاسًا یُّوَارِیۡ سَوۡاٰتِکُمۡ وَ رِیۡشًا ؕ وَ لِبَاسُ التَّقۡوٰی ۙ ذٰلِکَ خَیۡرٌ ؕ ذٰلِکَ مِنۡ اٰیٰتِ اللّٰہِ لَعَلَّہُمۡ یَذَّکَّرُوۡنَ ﴿۲۶﴾

''ہم نے تمھارے لیے ایسا لباس مہیا کر دیا جو جسم کی ستر پوشی کرتا ہے اور ایسی چیزیں بھی جو زیب و زینت کا ذریعہ ہیں۔ اور بہترین لباس تقویٰ کا لباس ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے تاکہ لوگ نصیحت پذیر ہوں۔'' (القرآن)

لباس ہمارے مقدس پروردگار کا بہترین عطیہ ہے۔ اس میں پوشش بھی ہے، حفاظت بھی ہے اور زیب و زینت بھی! ...... اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرا لباس بھی عطا فرمایا ہے اور وہ ہے ''لباس تقویٰ'' ...... پہلا لباس بدن کی حفاظت اور زینت ہے جبکہ دوسرا لباس رُوح کی زینت اور وقار ہے۔

(مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ)

لباس کے عمومی احکام و مسائل

انسان کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے دوسری مخلوقات پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس شرف و فضل کا ذکر خود قرآن کریم میں فرمایا ہے، مثلاً:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ ءَادَمَ وَحَمَلْنَٰهُمْ فِي ٱلْبَرِّ وَٱلْبَحْرِ وَرَزَقْنَٰهُم مِّنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَفَضَّلْنَٰهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ۝٧٠﴾

''ہم نے انسان کو شرف و تکریم عطا کی ہے، اسے خشکی اور تری میں سوار کرایا، اسے پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں اور اسے اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت عطا کی۔''[1]

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا ٱلْإِنسَٰنَ فِيٓ أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ۝٤﴾

''ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا ہے۔''[2]

یہ احسن تقویم (بہترین ساخت) کیا ہے؟ اس کے جسم کا متناسب اور سڈول ہونا، اس کا سرو قد اور راست قامت ہونا، اس کا سریع الحرکت اور تیز رفتار ہونا، جسم کو سمیٹ لینا، پھیلا لینا اور حسب ضرورت ہر طرح سے اسے موڑ لینا اور اکٹھا کر لینا۔ پھر دماغی و ذہنی صلاحیتوں سے نوازنا۔ یہ سب کچھ اس احسن تقویم میں شامل ہے۔ یہ ساری خوبیاں بیک وقت انسان کے علاوہ کسی اور مخلوق کے اندر نہیں ہیں۔

---

[1] بنی إسرائيل 70:17

[2] التين 4:95

علاوہ ازیں انسان کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک اور امتیاز یہ قائم فرمایا کہ اسے وُحوش وطیور کے مقابلے میں لباس پہننے کا پابند بنایا۔ یہ حکم اللہ نے دوسری مخلوقات کونہیں دیا، چرند پرند جس طرح بغیر لباس کے پیدا ہوتے ہیں، اسی طرح بے لباس ہی ساری زندگی گزار دیتے ہیں۔ انسان بھی پیدا بے لباس ہی ہوتا ہے، لیکن ماں کے پیٹ سے باہر آتے ہی اسے نہلا دھلا کر کپڑوں میں لپیٹ دیا جاتا ہے۔ یوں یہ لباس انسان کی زندگی کا جزو لاینفک بن جاتا ہے، حتی کہ جب اسے قبر میں دفنایا جاتا ہے تب بھی اسے چادروں میں لپیٹ کر ہی سپرد خاک کیا جاتا ہے، بغیر لباس کے اسے مٹی کے نیچے بھی نہیں دبایا جاتا۔ یہ انسان کی تکریم کی انتہا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ لباس انسان کا امتیازی وصف ہے، اسی سے انسان حیوان سے ممتاز قرار پاتا ہے۔ اس امتیازی وصف کا تقاضا ہے کہ انسان اللہ کے اس انعام اور وصف پر، جس سے اللہ نے اس کو نوازا ہے، اللہ کا شکر ادا کرے، اور اس کا شکر یہ ہے کہ وہ اللہ کی حمد و تسبیح بھی کرے اور لباس میں ان ہدایات کو بھی ملحوظ رکھے جو اللہ نے اور اس کے رسول ﷺ نے بیان فرمائی ہیں۔

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَـٰبَنِىٓ ءَادَمَ قَدْ أَنزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَٰرِى سَوْءَٰتِكُمْ وَرِيشًا ۖ وَلِبَاسُ ٱلتَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ﴾

''اے بنو آدم! ہم نے تم پر لباس نازل کیا ہے تاکہ وہ تمھارے قابل شرم حصوں کو ڈھانکے اور تمھارے لیے زینت کا ذریعہ بنے اور تقوی کا لباس بہت بہتر ہے۔''[1]

اس آیت مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے تین چیزیں بیان کی ہیں:

① لباس کا مقصد: اور وہ یہ ہے کہ انسان اس کے ذریعے سے وہ چیزیں ڈھانک کر رکھے

---

[1] الأعراف 26:7

جن کو ڈھانک کر رکھنے کا حکم اللہ نے دیا ہے۔ مرد، جسم کے ان حصوں کو عریاں نہ رکھیں جو قابل ستر ہیں اور عورتیں اپنا جسم اس طرح ڈھانک کر رکھیں جس طرح اللہ نے ان کو حکم دیا ہے۔

② زیب و زینت کا جواز: رِیش، پرندے کے پر کو کہتے ہیں، یہ پر اس کی خوبصورتی کا باعث بھی ہیں اور موسم کی سختیوں سے بچاؤ کا ذریعہ بھی، اسی طرح انسانی لباس سے بھی یہ دونوں ہی مقصد حاصل ہوتے ہیں۔ ایک عریاں جسم کے مقابلے میں ملبوس جسم حسن و جمال کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ بغیر لباس کے انسان، اگر لاغر و نحیف ہو، تو وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ اور اگر فربہ ہو، تو بالعموم بے ڈھنگے پن یا بھدے پن کا نمونہ نظر آتا ہے۔ بنا بریں یہ لباس چاہے کتنا بھی سادہ ہو، انسانی جسم کے حسن کا باعث بھی ہے اور موسم کی شدتوں سے بچاؤ کا ذریعہ بھی۔ اس لیے اس لباس کو پرندے کے پر سے تشبیہ دی گئی ہے۔

علاوہ ازیں اس لفظ (ریش) سے علماء نے مزید زیب و زینت کے لیے قیمتی لباس پہننے کا جواز بھی اخذ کیا ہے۔ اور یہ استدلال بالکل درست ہے، اس کی تائید دوسرے دلائل سے بھی ہوتی ہے (جیسا کہ تفصیل آگے آئے گی)

③ ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے لباس کا ایک اور مقصد بھی بیان فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ موسم کی شدت اور اس کے اثرات سے بچاؤ اور جنگ میں دشمن کے وار سے بچاؤ، جیسے فرمایا:

﴿وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيلَ تَقِيكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيلَ تَقِيكُم بَأْسَكُمْ﴾

''اور اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے کرتے (لباس) بنائے ہیں جو تمھیں گرمی (اور سردی) سے بچاتے ہیں اور (ایک دوسری قسم کے) کرتے (زرہیں اور خود) بنائے ہیں جو

لڑائی میں تمھارا بچاؤ کرتے ہیں۔''[1]

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے دوقسم کے کُرتوں (لباسوں) کا ذکر فرمایا ہے، لیکن ان دونوں قسموں میں فرق ہے، اور لفظ دونوں کے لیے ایک ہی استعمال کیا گیا ہے۔ تاہم سیاقِ کلام سے یہ فرق واضح ہے۔ پہلے سرابیل سے مراد وہ لباس ہے جو اون اور روئی وغیرہ سے بنتا ہے، یہ موسم کے اعتبار سے موسمی اثرات سے بچاؤ کے لیے پہنا جاتا ہے۔ سردیوں میں اُونی (گرم) لباس اور گرمیوں میں سُوتی لباس۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے صرف گرمی سے بچاؤ کا ذکر کیا ہے، اس کی وجہ عرب کا موسم ہے، وہاں گرمی بڑی شدت کی پڑتی ہے۔ تاہم جن علاقوں میں سردی زیادہ پڑتی ہے، وہاں یہ لباس انسان کو سردی کی شدت سے بھی بچاتا ہے۔

دوسرے سَرَابِیُل سے مراد زِرہیں ہیں اور خَوُد بھی اس میں آسکتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں لوہے سے بنتی ہیں۔ زِرہ، انسان اپنے جسم پر پہن لیتا ہے اور خَود سَر پر۔ تاکہ اس کا جسم اور سر دونوں دشمن کے وار سے محفوظ رہیں اور تلوار یا نیزے کی ضرب ان پر اثر انداز نہ ہوسکے۔

نزول قرآن کے وقت جنگیں تلواروں اور نیزوں سے لڑی جاتی تھیں، ان میں یہ لوہے کی زرہیں اور خَود بہت اہمیت کی حامل چیزیں تھیں کیونکہ یہ دشمن کے وار اور کاری ضرب سے بچاؤ کا نہایت مؤثر ذریعہ تھیں۔ اب اگرچہ جنگ کا اسلوب بھی بدل گیا ہے اور ہتھیار بھی دوسرے انداز کے بنا لیے گئے ہیں تاہم جہاں بھی اور جب بھی دست بدست میدانی جنگیں ہوتی ہیں یا ہوں گی، زرہوں اور خَود کی اہمیت مسلم ہے۔ بہرحال لباس کا یہ ایک تیسرا مقصد ہے جو اس سورۂ نحل میں بیان کیا گیا ہے۔

تیسری چیز سورۂ اعراف کی آیت میں یہ ہے کہ اس مقام پر لباسِ تقویٰ کا ذکر کر کے بلکہ

---

[1] النحل 81:16

اسے بہتر قرار دے کر تقوی کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔ تقوٰی کیا ہے؟ زندگی کے ہر معاملے اور ہر موڑ پر خوفِ الٰہی کا دامن گیر رہنا۔ اس مفہوم کے اعتبار سے لباسِ تقوٰی کیا ہے؟ لباس کے ذریعے سے ستر پوشی یا جسم پوشی کا اہتمام یا مزید زیب و زینت کے لیے قیمتی پوشاک اور خلعتِ فاخرہ کا استعمال اس طرح ہو کہ احکام الٰہی سے تجاوز اور شرعی ہدایات وضوابط سے انحراف نہ ہو۔

لباس کے معاملے میں تقوی کی یہ تاکید اس لیے کی گئی ہے کہ زندگی کے دوسرے معاملات کی طرح انسان لباس کے معاملے میں بھی اکثر و بیشتر افراط وتفریط کا مظاہرہ کرتے ہیں، مرد بھی اور عورتیں بھی جن سے مقاصد شرعیہ پامال ہوتے ہیں اور معاشرے فتنہ وفساد کی آماجگاہ بن جاتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ مسلمان مرد بھی اور مسلمان عورتیں بھی، سب ہی لباس کے معاملے میں اسلامی احکام و ہدایات کو ملحوظ رکھیں تاکہ ایمان وتقوٰی کے تقاضے مجروح نہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ مفسرین نے لباس التقویٰ کے معنی ایمان اور عمل صالح ہی کے کیے ہیں۔ اور ایمان اور عمل صالح کا یہاں وہی مفہوم ہے جس کی وضاحت سطور بالا میں کی گئی ہے۔

اب ہم آئندہ سطور میں لباس کے معاملے میں اسلامی ہدایات کا ذکر کریں گے۔ یہ ہدایات ایک تو وہ ہیں جن کا تعلق صرف مردوں سے ہے۔ دوسری ہدایات وہ ہیں جو صرف عورتوں سے متعلق ہیں۔ اور کچھ ہدایات وہ ہیں جو عام ہیں جن کے مخاطب مرد اور عورت دونوں ہی ہیں۔

لباس اور بود و باش میں غیروں کی مشابہت سے اجتناب کا حکم

لیکن اس سے بھی قبل ایک اور نکتے کی وضاحت ضروری ہے، کیونکہ لباس کا سارا معاملہ اسی کے گرد گھومتا ہے، گویا اُس نکتے کو لباس کے معاملے میں محور و مرکز کی حیثیت حاصل ہے

اور وہ نکتہ ہے تشبُّہ بِالْغَیر کا۔ یعنی لباس ایسا ہو جس میں غیروں کے ساتھ مشابہت نہ ہو، اس لیے کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ»

''جو شخص جن لوگوں کی مشابہت اختیار کرے گا، وہ ان ہی میں شمار ہوگا۔''[1]

اس حدیث سے غیروں کی مشابہت اختیار کرنے کی ممانعت واضح ہے۔ غَیر کی تین صورتیں ہیں:

① غیر مسلم

② مَردوں کے لیے عورتیں اور عورتوں کے لیے مَرد غیر ہیں۔ اس لیے دونوں کے لیے ایک دوسرے کی مشابہت اختیار کرنا ممنوع ہے۔

③ ابرار و فُجّار، نیک اور بَد اپنے اعمال و خصائل اور اخلاق و کردار کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف اور ایک دوسرے کے لیے غَیر ہیں۔ یہاں بھی فجار و فساق کی مشابہت سے بچنا اور ان کے سے طور اطوار اختیار کرنے سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

غیر مسلموں کے عقیدے عام طور پر مشرکانہ ہوتے ہیں، اس لیے ان کے مذہبی اعمال اور رسومات بھی شرک ہی کا پَرتَو ہوتے ہیں۔ اس بنا پر غیر مسلموں کے عقیدے اختیار کرنے کی اجازت ہے نہ ان کی مذہبی رسومات کے اختیار کرنے کی۔ کیونکہ اول الذکر بات یعنی ان کے سے عقیدے اختیار کرنے سے ایک مسلمان، مسلمان ہی نہیں رہتا اور ثانی الذکر بات یعنی مذہبی رسومات میں مشابہت اختیار کرنے سے بھی اس کا اسلام مشکوک ہو جاتا ہے۔ لیکن ایک تیسری چیز غیر مسلموں کی ظاہری وضع قطع، لباس اور قومی عادات وغیرہ ہیں، ان میں مشابہت

[1] سنن أبي داود، اللباس، باب في لبس الشهرة، حديث :4031

اختیار کرنا، یعنی ان کی سی وضع قطع بنانا، ان کا سا لباس پہننا اور ان کی قومی عادات کو اپنانا، اس میں لوگ کوئی حرج نہیں سمجھتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان چیزوں میں ان کی مشابہت عام ہے۔ غیر مسلموں کا لباس پہننا، بلاضرورت ان کی زبان بولنا، ان کی زبان میں اپنی تقریبات کے دعوت نامے چھپوانا، اپنی دکانوں کے بورڈ لکھوانا اور اپنے گھروں کے باہر اپنے ناموں کی تختیاں لگوانا، اپنی اور اپنے بچوں کی سالگرہیں منانا، اسی طرح یوم مئی اور ویلنٹائن ڈے وغیرہ منانا، شادی بیاہ کے موقعے پر غیر مسلموں کی رسمیں اختیار کرنا۔ یہ سب کام غیروں کی مشابہت میں شامل ہیں۔ اور یہ سب ممنوع اور ناجائز ہیں۔

اس تیسری قسم کی مشابہت کو، جو اگرچہ ممنوع اور حرام ہی ہے لوگ کیوں بلا تامل اختیار کر لیتے ہیں اور کیوں اسے برا نہیں سمجھتے؟ اس کی دو بڑی وجہیں ہیں:

اللہ کے حکم کو اہمیت نہ دینا

① اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ سے محبت اور دوستی کرنے سے نہایت سختی سے منع فرمایا ہے اور اس کی بابت یہاں تک فرمایا ہے:

﴿وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ﴾

''جو ان سے دوستی رکھے گا، وہ انھی میں سے ہوگا۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے جب غیر مسلموں سے دوستی اور محبت کرنے سے منع فرما دیا ہے تو محبت کے جتنے بھی مظاہر ہیں سب ممنوع ہوں گے۔ ان کا لباس پہننا۔ بلاضرورت ان کی زبان بولنا اور دوسرے مقاصد کے لیے اسے استعمال کرنا، ان کی قومی عادات و اطوار کو اپنانا، یہ سب ان کی محبت کے مظاہر ہیں۔ لیکن لوگ اللہ کے اس حکم کی اہمیت کو سمجھتے ہیں نہ مذکورہ باتوں کو محبت

---

[1] المائدة 51:5

کے مظاہر اور تقاضے ہی سمجھتے ہیں۔ اس کی وجہ سے لوگ ان باتوں سے بچنے کا اہتمام نہیں کرتے۔

اسلامی غیرت اور قومی حمیت و عصبیت کا فُقدان

② دوسری بڑی وجہ اسلامی غیرت وحمیت اور قومی عصبیت کا فقدان ہے۔ حالانکہ کسی قوم کا نظریاتی تشخص، اس کے وجود و بقا کا اور اقوام عالم میں اس کے عزّ ووقار کا ضامن ہوتا ہے۔ اگر کوئی قوم اپنے نظریاتی تشخص ہی سے دست بردار ہو جائے تو اول تو صفحۂ ہستی سے اس کا وجود ہی مٹ جاتا ہے اور اگر کسی درجے میں اس کا وجود باقی رہ بھی جائے تو اس کا کوئی احترام و وقار دوسری قوموں کی نظروں میں باقی نہیں رہتا۔

مسلمان کا نظریاتی تشخص، اسلام اور اس کی تعلیمات پر مکمل طور پر عمل کرنے ہی سے قائم ہوتا ہے، چاہے اس کا تعلق معاشرت، بودوباش اور لباس سے ہو، چاہے شکل وصورت کی مخصوص ہیئت سے ہو یا چاہے سیاست ومعیشت سے ہو۔ جب تک ہر معاملے میں اسلام کی تعلیمات کو نہیں اپنایا جائے گا اور دوسری تہذیب و معاشرت کے مقابلے میں اسلامی تہذیب اور معاشرت کو اختیار نہیں کیا جائے گا، مسلمان کا نظریاتی تشخص قائم نہیں رہ سکتا۔ مسلمان اس وقت اپنے نظریاتی تشخص سے محروم ہیں، ان میں اسلامی غیرت وحمیت باقی رہی ہے نہ قومی عصبیت ہی کا کوئی احساس۔ اس کا نتیجہ ہے کہ اقوام عالم میں ان کا کوئی وقار ہے نہ ان کی کوئی شنوائی۔

لباس کی اہمیت کے منکروں سے ایک تجربہ کرنے کی اپیل

اس اعتبار سے ظاہری وضع قطع اور لباس وغیرہ کی بھی بڑی اہمیت ہے کیونکہ اس ظاہری

امتیاز کے بغیر اسلام کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان ظاہری چیزوں (لباس وغیرہ) کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ ان سے ہم عرض کریں گے کہ وہ چند روز کے لیے زنانہ لباس پہنیں، اسی میں شب وروز گزاریں، دفتر یا دکان پر اسی لباس میں فروکش رہیں۔ پھر دیکھیں کہ محض اس لباس کی تبدیلی سے ان کی وضع وادا اور چال ڈھال میں کوئی فرق واقع ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر اس سے ان کی عادات و اطوار میں کوئی فرق واقع نہ ہو، تو پھر واقعی ظاہری لباس کی کوئی اہمیت نہیں ہوگی۔ لیکن اگر یہ زنانہ لباس، ان کی مردانہ شخصیت اور ان کے رعب و وقار پر اثر انداز ہو، اس سے ان کی چال ڈھال متاثر ہو، تو پھر مان لینا چاہیے کہ ظاہری وضع قطع اور لباس کی بھی بڑی اہمیت ہے اور اس کی اہمیت اور قرارِ واقعی حیثیت کو نظر انداز کرنا بہت بڑی غلطی ہے اور اجتماعی طور پر من حیث القوم اس مسئلے کی اہمیت کو نظر انداز کرنے کا وہی نتیجہ سامنے آرہا ہے جو زنخوں کے زنانہ لباس پہننے کا نتیجہ ہم دیکھ رہے ہیں۔

لباس کے بارے میں اسلام کی تعلیمات و ہدایات کی تفصیل

اس بنیادی نکتے کی وضاحت اور تمہیدی گزارشات کے بعد لباس کے بارے میں اسلام نے جو ضروری ہدایات دی ہیں، وہ ملاحظہ فرمائیں:

کافروں کے لباس کی ممانعت

اسلام نے لباس کی کوئی خاص وضع و ہیئت متعین نہیں کی ہے، بلکہ اس میں اجازت دی ہے کہ مسلمان اپنے قومی یا علاقائی رواج کے مطابق لباس پہن سکتے ہیں، تاہم چند بنیادی باتوں کی تاکید کی ہے، اپنے قومی یا علاقائی لباس میں ان کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

ان میں سب سے پہلی چیز غیر مسلموں کے لباس سے اجتناب کرنا ہے، کیونکہ اس کی واضح

طور پر ممانعت ہے۔ ایک تو غیروں کی مشابہت اختیار کرنے سے جو منع کیا گیا ہے، اس کے عموم میں لباس بھی شامل ہے۔ علاوہ ازیں حدیث میں آتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں:

«رَأٰى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَيَّ ثَوْبَيْنِ مُعَصْفَرَيْنِ، فَقَالَ: إِنَّ هٰذِهِ مِنْ ثِيَابِ الْكُفَّارِ، فَلَا تَلْبَسْهَا»

''رسول اللہ ﷺ نے مجھے دو زرد رنگ کے لباس میں دیکھا، تو فرمایا: یہ تو کافروں کے کپڑے ہیں، تم انھیں مت پہنو۔''[1]

اس سے معلوم ہوا کہ ایسے رنگ والے لباس بھی ممنوع ہیں جس رنگ کے لباس کافر استعمال کرتے ہوں۔ جب کافروں والا رنگ ناپسندیدہ ہے، تو کافروں والی مخصوص تراش اور مخصوص وضع قطع کے لباس کیوں کر جائز ہوں گے، جیسے ہیٹ، کوٹ پتلون یا عورتوں کے لیے مِنی سکرٹ اور جینز وغیرہ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آذربیجان میں مقیم بعض صحابہ کو لکھا:

«إِيَّاكُمْ وَالتَّنَعُّمَ وَزِيَّ أَهْلِ الشِّرْكِ وَلَبُوسَ الْحَرِيرِ، فَإِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهٰى عَنْ لَبُوسِ الْحَرِيرِ»

''نازونعمت سے اور اہل شرک کی خصوصی ہیئت اختیار کرنے سے اور ریشمی لباس پہننے سے اجتناب کرو، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے ریشمی لباس پہننے سے منع فرمایا ہے۔''[2]

ان احادیث کی رو سے اہل کفر و شرک کا خصوصی لباس بھی ممنوع ہے، ان کے مخصوص رنگ

---

[1] صحيح مسلم، اللباس والزينة، باب النهي عن لبس الرجل الثوب المعصفر، حديث: 2077

[2] صحيح مسلم، اللباس، باب تحريم لبس الحرير، حديث: 2069

بھی ناپسندیدہ ہیں اوران کی خصوصی ہیئت ووضع اختیار کرنا بھی ناجائز ہے۔

اسکولوں کی یونیفارموں کا مسئلہ

پاکستان میں اس وقت جس طرح پرائیویٹ اسکولوں کا ایک سیلاب آیا ہوا ہے، اسی طرح ان سب کا رخ بھی کعبہ کے بجائے ''ترکستان'' کی طرف ہے۔ اور یہی پہلو نہایت تشویش ناک ہے۔ ورنہ تعلیمی اداروں کی کثرت تو نیک فال بھی ہے اور قابل مسرت بھی۔

اس کی مختصر شرح یہ ہے کہ تمام پرائیوٹ اسکول (سوائے چند ایک تنظیموں کے اسکولوں کے) قوم کے نونہالوں کو، جو مستقبل کے معمار ہیں، ذہنی غلامی کا درس دے رہے ہیں، نصاب کے اعتبار سے بھی اور عمل کے اعتبار سے بھی۔ یعنی ان کے نصاب میں بھی اسلامی تعلیم وتربیت کا پہلو شامل نہیں ہے، یا اگر ہے تو برائے نام ہے جس کی کوئی خاص افادیت نہیں۔ دوسرے ان کی یونیفارمیں بھی وہ ہیں جو غیروں کی نقالی پر مبنی ہیں، یعنی شرٹ پتلون اور ٹائی۔

ظاہر بات ہے یہ لباس جس طرح قومی یا پاکستانی نہیں، اسی طرح اسلامی بھی نہیں، جب کہ ان اسکولوں میں پڑھنے والے بچے پاکستانی بھی ہیں اور مسلمان بھی، ان کے والدین بھی پاکستانی ہیں اور مسلمان بھی اور اسکول قائم کرنے والے اور چلانے والے بھی غیر ملکی یا غیر مسلم نہیں، بلکہ پاکستانی اور مسلمان ہی ہیں۔ لیکن یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ ان اسکولوں میں پاکستانی اور قومی لباس میں ملبوس بچہ تعلیم حاصل نہیں کرسکتا۔ ان اسکولوں میں قومی لباس پہننے کی اجازت نہیں ہے، حتیٰ کہ کوئی بچہ جب تک ٹائی بھی نہ لگائے وہ کلاس میں نہیں بیٹھ سکتا۔

اور ستم ظریفی کی انتہا ہے کہ یہ صورت حال صرف ان تعلیمی اداروں اور اسکولوں ہی میں نہیں ہے۔ جن کے بانی اور منتظمین دین سے ناآشنا اور اسلامی شعور سے بے بہرہ ہیں بلکہ ان

اسکولوں میں بھی یہی انگریزی یونیفارم لازمی ہے جن کے بانی اور منتظمین بعض اسلامی جماعتوں سے وابستہ یا ان کے سرکردہ رہنما یا کارکن ہیں، اسلامی شعور سے بہرہ ور اور دینی تعلیمات سے آگاہ ہیں اوران تعلیمی اداروں کے قیام کا مقصد بھی وہ بچوں کو اسلامی تعلیم و تربیت سے بہرہ ور کرانا ہی باور کراتے ہیں۔لیکن ان کے اسلامی شعور اور دینی درد کا یہ حال ہے کہ وہ اسلامی تعلیم و تربیت میں اپنی یونیفارم کو کوئی حیثیت دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اور روشِ عام کو نظر انداز کر کے قومی لباس کو یونیفارم بنانے کی جرأت نہیں رکھتے۔

اس فُقدانِ جرأت کا سبب کیا ہے؟ دین سے بے شعوری؟ نہیں۔ اسلامی جذبہ وشعور کی کمی؟ نہیں۔ یہ چیزیں کسی نہ کسی حد تک ان کے اندر موجود ہیں، لیکن دولت کمانے کی خواہش ان سب پر غالب ہے، اس لیے دین کے تقاضے مغلوب ہو گئے ہیں، اسلامی تہذیب کے غلبے کا جذبہ کمزور پڑ گیا ہے اور مغربیت کی یلغار کا مقابلہ کرنے کا احساس بالکل ختم ہو گیا ہے۔ اسلامی تعلیم و تربیت کے نام پر تعلیمی ادارے قائم کرنے والوں کی بھی یہی گھٹیا سوچ اور دنیادارانہ ذہنیت ہے کہ اگر ہم نے مغربیت کی نمائندہ یونیفارم کے بجائے قومی لباس پر مبنی یونیفارم اختیار کی تو شاید بچوں کے والدین کا رجحان ادھر نہ ہو یا کم ہو، کیونکہ مغربی فیشن اور لباس وبائے عام کی صورت اختیار کر گیا ہے، اس کے خلاف دوسرا راستہ شاید مالی اعتبار سے اتنا مفید ثابت نہ ہو۔

حالانکہ یہ سوچ اور ذہنیت بے دین قسم کے لوگوں کی تو ہو سکتی ہے۔ اہل دین اور اہل ایمان وتقوٰی کی سوچ نہیں ہو سکتی اور نہ ہونی ہی چاہیے۔ ان کے لیے صحیح طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنا تشخص اور امتیاز حسب ذیل طریقے سے قائم کریں۔

- معیارِ تعلیم بلند کریں۔
- محنت کرنے والے قابل (کوالیفائڈ) اساتذہ رکھیں۔

- اسلامی تعلیم وتربیت سے آراستگی اور اسلامی شعور کی بیداری کو اولیت اور ترجیح دیں۔
- اوران خوبیوں کے ساتھ فیس مناسب رکھیں لیکن اساتذہ کی تنخواہیں معقول ہوں تاکہ وہ بچوں کو محنت سے پڑھانے میں کوتاہی نہ کریں۔
- فرداً فرداً ہر بچے پر توجہ دی جائے۔
- قومی لباس (شلوار، قمیض) ہی کو یونیفارم کے طور پر اختیار کیا جائے، البتہ یکسانیت کے لیے کسی ایک رنگ کو لازمی قرار دیا جائے۔

مذکورہ پانچ خوبیوں میں تشخص و امتیاز قائم کرنے کے بعد مغربی یونیفارم کا شوقِ فراواں رکھنے والے والدین بھی ان شاء اللہ اپنے بچوں کو انھی اسکولوں میں داخل کرانے کو ترجیح دیں گے۔

بچیوں کے اسکول چلانے والے بھی مذکورہ باتوں کا اہتمام کر کے بچیوں کے لیے ساتر اور باپردہ لباس کا انتظام کریں اوران کو بے پردگی سے بچائیں تو یقیناً ایسے گرلز اسکول بھی نہایت کامیابی سے چلائے جاسکتے ہیں۔

چھوٹے بچے اور بچیوں کے لباس کا مسئلہ

اسی طرح گھروں میں چھوٹے بچوں اور بچیوں کے لباس کا مسئلہ ہے۔ چونکہ آج کل لوگوں کے نزدیک اسلامی تشخص کی حفاظت اور اسلامی تعلیمات کے اپنانے کی کوئی خاص اہمیت باقی نہیں رہی۔ الا ماشاء اللہ۔ اس لیے لوگ گھروں میں بھی بالعموم چھوٹی بچیوں کو بچوں والا لباس پہنائے رکھتے ہیں اور بچوں کو شرٹ پتلون، یہ رجحان یا طرزِ عمل بھی اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔

آج کل ریڈی میڈ ملبوسات، بالخصوص بچوں کے ریڈی میڈ ملبوسات کا چلن عام ہوگیا

ہے اور یہ ملبوسات تیار کرنے والے حضرات بچوں کے لیے شلوار قمیص اور بچیوں کے لیے سادہ ملبوس تیار کرنے کے بجائے زیادہ تر شرٹ پتلون اور غیر ساتر لباس تیار کرتے ہیں اور یہ لوگ یہ سلے سلائے لباس زیادہ پسند کرتے ہیں اوران ملبوسات کا انتخاب کرتے وقت وہ اسلامی تعلیمات کو نہیں دیکھتے۔ صرف عام چلن اور فیشن کو دیکھتے ہیں۔ اور یوں والدین کے اس تساہل، یا اسلامی شعور کے فُقدان، یا فیشن پرستی کے رُجحان کی وجہ سے بچے بچیوں کے ذہن بھی خراب ہوجاتے ہیں اور اسلام کے تہذیبی تشخص کا کوئی احساس ان کے اندر پیدا نہیں ہوتا۔

یہ تو والدین کی ذمے داری ہے کہ بچپن ہی سے بچوں کے معاملے میں وہ ایسا طرز عمل اختیار کریں کہ بچوں اور بچیوں کے ذہنوں میں اسلامی تشخص واضح ہو اور اسلامی تہذیب وتمدن کے اپنانے کا جذبہ ان کے اندر پیدا ہو۔ بہرحال بچوں میں اسلامی تشخص اور تہذیب کی حفاظت کا جذبہ اور غیر اسلامی تہذیب و اقدار کے خلاف جذبۂ مقاومت پیدا کرنا والدین کی ذمے داری ہے اور اس میں تساہل برتنا جُرم ہے۔

مردوں کے لیے ریشمی لباس حرام ہے

ریشمی لباس مردوں کے لیے حرام ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ لَبِسَ الْحَرِيرَ فِي الدُّنْيَا لَمْ يَلْبَسْهُ فِي الْآخِرَةِ»

''جس نے دنیا میں ریشمی لباس پہنا، وہ اسے آخرت میں نہیں پہنے گا۔''[1]

یہ وعید مردوں کے لیے ہے، عورتوں کے لیے نہیں، کیونکہ عورتوں کو ریشمی لباس پہننے کی اجازت ہے۔

---

[1] صحيح البخاري، اللباس، باب لبس الحرير للرجال، حديث: 5834

ریشمی گدے اور گدیاں بھی ممنوع ہیں

ریشمی لباس کے ساتھ ریشمی گدے اور گدیاں بھی ممنوع ہیں۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

«نَهَانَا النَّبِيُّ ﷺ أَنْ نَّشْرَبَ فِي آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ، وَأَنْ نَّأْكُلَ فِيهَا، وَعَنْ لُبْسِ الْحَرِيرِ وَالدِّيبَاجِ، وَأَنْ نَّجْلِسَ عَلَيْهِ»

''رسول اللہ ﷺ نے ہمیں منع فرمایا ہے کہ ہم سونے چاندی کے برتنوں میں پانی پئیں اور کھانا کھائیں اور اس سے بھی کہ ہم ریشمی لباس پہنیں اور ان پر بیٹھیں۔''[1]

زعفرانی رنگ بھی مردوں کے لیے ممنوع ہے

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنِ التَّزَعْفُرِ، قَالَ قُتَيْبَةُ، قَالَ حَمَّادٌ: يَعْنِي لِلرِّجَالِ»

''نبی ﷺ نے مردوں کو زعفرانی رنگ کا لباس پہننے سے منع فرمایا ہے۔''[2]

تصویر والے پردے لٹکانا یا تصویریں لگانا ممنوع ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

«دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأَنَا مُتَسَتِّرَةٌ بِقِرَامٍ فِيهِ صُورَةٌ، فَتَلَوَّنَ وَجْهُهُ، ثُمَّ تَنَاوَلَ السِّتْرَ فَهَتَكَهُ، ثُمَّ قَالَ: إِنَّ مِنْ أَشَدِّ

---

[1] صحیح البخاری، اللباس، باب افتراش الحریر، حدیث: 5837

[2] صحیح مسلم، اللباس، باب نهی الرجل عن التزعفر، حدیث: 2101

النَّاسِ عَذَابًا يَّوْمَ الْقِيَامَةِ، الَّذِينَ يُشَبِّهُونَ بِخَلْقِ اللهِ»

''میرے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، میں نے گھر میں ایک تصویر والا پردہ لٹکایا ہوا تھا، اسے دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کا چہرہ متغیر ہوگیا اور اس پردے کو پکڑ کر پھاڑ دیا، پھر فرمایا قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو اللہ کی تخلیق میں اس کی نقل اتارتے ہیں۔''[1]

- اس سے واضح ہوا کہ تصویر سازی، تخلیقِ الٰہی کی نقل ہے جو اللہ کو سخت ناپسند ہے۔
- تصویر سازوں یعنی اللہ کے نقالوں کو سخت عذاب ہوگا۔
- گھروں میں تصویروں والے پردے، پردے کی غرض سے یا زیب و زینت کی غرض سے استعمال کرنا ممنوع ہے۔
- جب تصویر والے پردے گھروں میں نہیں لٹکائے جاسکتے، تو اپنی، اپنے بچوں کی یا اپنے بزرگوں کی تصویریں فریم کرکے یادگار کے طور پر لٹکانا بطریق اولی حرام اور ناجائز ہوگا۔
- اپنے گھروں اور دکانوں کو ان تصویروں سے پاک رکھنا ضروری ہے۔ اور گھر کے کسی فرد کو یہ اجازت نہیں دی جانی چاہیے کہ وہ اس ناجائز کام کی جرأت کرسکے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کا عمل بیان فرماتی ہیں:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يَكُنْ يَتْرُكُ فِي بَيْتِهِ شَيْئًا فِيهِ تَصَالِيبُ، إِلَّا نَقَضَهُ»

''نبی ﷺ اپنے گھر میں کوئی تصویر والی چیز نہیں رہنے دیتے تھے، ایسی کوئی چیز آپ دیکھتے تو اسے توڑ دیتے۔''[2]

---

[1] صحيح مسلم، اللباس، باب تحريم تصوير صورة الحيوان، حديث: 2107

[2] صحيح البخاری، اللباس، باب نقض الصور، حديث: 5952

تصویری کپڑے کے گدے بنائے جا سکتے ہیں

البتہ تصویری کپڑوں کا ایسا استعمال جائز ہے جس میں تصویروں کے احترام کے بجائے، ان کی بے حرمتی ہوتی ہو، جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس تصویر والے پردے کو پھاڑ دیا تھا، میں نے اس کے دو گدے بنا لیے، جو گھر میں بچھے رہتے تھے۔ آپ ان پر بیٹھ جایا کرتے تھے۔[1]

تاہم امام بخاری کا رجحان یہ معلوم ہوتا ہے کہ تصویری کپڑے کے گدّے بنانا بھی مکروہ ہے، جیسا کہ ان کے قائم کردہ باب، باب من کرہ القعود علی الصور اور اس کے تحت درج حدیث (حدیث:5957) سے واضح ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ایک تطبیق یہ بیان کی ہے کہ جس تصویری کپڑے کو پھاڑ کر گدے بنائے گئے تھے ممکن ہے کہ وہ اس طرح بنائے گئے ہوں کہ تصویروں والا حصہ ختم ہو گیا ہو۔ (فتح الباری، باب من کرہ القعود علی الصور) اس لیے اس کو گوارا کر لیا گیا۔

مردوں کے لیے ٹخنوں سے نیچے پاجامہ، شلوار وغیرہ لٹکانا حرام ہے

اسبالِ ازار ممنوع ہے۔ ازار عربی میں اس کپڑے کو کہتے ہیں جو جسم کے نچلے حصے کو ڈھانپنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس میں پاجامہ، شلوار، تہ بند اور پتلون سب شامل ہیں۔ اور اسبال کے معنی ہیں، لٹکانا۔ اسبالِ ازار کے معنی ہوں گے، شلوار وغیرہ کو ٹخنے سے نیچے لٹکانا۔ حدیث میں جَرِّ ازار (ازار کو کھینچنا) کے الفاظ بھی اسی معنی (ٹخنے سے نیچے لٹکانا) میں استعمال ہوئے ہیں۔ اسلام میں مرد کے لیے اسبالِ ازار کو کِبر کی علامت قرار دیا گیا ہے، اس لیے اس سے نہایت سختی سے روکا گیا ہے۔ اس سے متعلق چند احادیث مبارکہ ملاحظہ ہوں:

---

[1] صحیح بخاری، المظالم، باب ہل تکسر الدِّنان......، حدیث: 2479

«مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الْإِزَارِ فِي النَّارِ»

''شلوار، پاجامہ وغیرہ کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہوگا، وہ جہنم میں ہوگا۔''[1]

مطلب ہے اس فعل کے مرتکب کی سزا جہنم کی آگ ہے۔

«لَا يَنْظُرُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلٰى مَنْ جَرَّ إِزَارَهُ بَطَرًا»

''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نہیں دیکھے گا جو اپنے تہ بند (شلوار وغیرہ) کو تکبر سے اتراتے ہوئے نیچے لٹکا کر چلتا ہے۔''[2]

اللہ تبارک و تعالیٰ کا روزِ محشر کسی کی طرف نہ دیکھنا، اس کے غضب اور اس سے اس کی ناراضی کا مظہر ہے۔ نبیٔ مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«بَيْنَا رَجُلٌ يَجُرُّ إِزَارَهُ، خَسَفَ اللهُ بِهِ فَهُوَ يَتَجَلْجَلُ فِي الْأَرْضِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ»

''ایک وقت ایک آدمی اپنی ازار (شلوار) ٹخنے سے نیچے لٹکائے جا رہا تھا کہ اللہ نے اسے زمین میں دھنسا دیا، پس وہ قیامت کے دن تک زمین میں دھنستا چلا جائے گا۔''[3]

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«ثَلَاثَةٌ لَّا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ، وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلَا يُزَكِّيهِمْ، وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ، قُلْتُ: مَنْ هُمْ يَارَسُولَ اللهِ! قَدْ خَابُوا وَخَسِرُوا؟ فَأَعَادَهَا ثَلَاثًا. قُلْتُ: مَنْ هُمْ يَارَسُولَ اللهِ! خَابُوا وَخَسِرُوا؟ قَالَ: الْمُسْبِلُ، وَالْمَنَّانُ، وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ

---

[1] صحیح البخاری، اللباس، باب ماأسفل من الکعبین، حدیث: 5787

[2] صحیح البخاری، اللباس، باب من جر ثوبه من الخیلاء، حدیث: 5788

[3] صحیح البخاری، اللباس، باب من جر ثوبه من الخیلاء، حدیث: 5790

بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ أَوِ الْفَاجِرِ»

''تین آدمی قیامت کے دن ایسے ہوں گے جن سے اللہ تعالیٰ کلام فرمائے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ ان کو پاک ہی کرے گا اور ان کے لیے درد ناک عذاب ہوگا۔''

(حضرت ابوذر کہتے ہیں) میں نے کہا: اللہ کے رسول وہ کون ہیں، وہ تو خائب و خاسر لوگ ہیں؟ آپ نے پھر وہی الفاظ ارشاد فرمائے اور تین مرتبہ ان کو دُہرایا۔ میں نے کہا: اللہ کے رسول! وہ کون ہیں؟ وہ تو خائب و خاسر لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''شلوار، پاجامہ ٹخنے سے نیچے لٹکانے والا۔ (دوسرا) احسان کر کے احسان جتلانے والا۔ (تیسرا) جھوٹی قسم کھا کر اپنے سامان کی ترغیب دلانے والا، (متن میں حلف کاذب یا فاجر دونوں کا معنی ایک ہی ہے (جھوٹی قسم) راوی کو شک ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کون سا لفظ استعمال کیا ہے۔''[1]

ایک ضروری وضاحت

بعض لوگ کہتے ہیں کہ جو شخص تکبر کے طور پر شلوار ٹخنوں سے نیچے لٹکاتا ہے، تو یہ یقیناً ناپسندیدہ ہے اور حدیث میں مذکور سزا ایسے ہی شخص کے لیے بیان ہوئی ہے، ان کے خیال میں اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص تکبر کے طور پر اسبال ازار نہیں کرتا۔ وہ اس وعید کا مستحق نہیں ہوگا۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ بعض احادیث میں اسبال ازار ہی کو مطلقاً تکبر قرار دیا گیا ہے جیسے سنن ابو داود میں ایک لمبی حدیث ہے۔ اس میں ایک بات نبی ﷺ نے یہ فرمائی:

«وَإِيَّاكَ وَإِسْبَالَ الْإِزَارِ فَإِنَّهَا مِنَ الْمَخِيلَةِ وَإِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ

---

[1] سنن أبي داود، اللباس، باب ماجاء في إسبال الإزار، حديث :4087

الْمَخِيلَةَ»

''تم ٹخنے سے نیچے کپڑا لٹکانے سے بچو! اس لیے کہ یہ تکبر ہے اور اللہ تکبر کو پسند نہیں کرتا۔''[1]

اس میں واضح طور پر اسبال ازار ہی کو تکبر کہا گیا ہے۔ اس لیے صحیح بات یہی ہے کہ ٹخنوں سے نیچے شلوار کا لٹکانا مطلقاً حرام اور ممنوع ہے اور اسے علامتِ تکبر ہی سمجھا گیا ہے، چاہے مُسبِلِ ازار کی نیت کچھ بھی ہو۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اتنی سی معمولی بات پر اتنی سخت سزا؟ ناقابل فہم ہے۔ لیکن جو لوگ ایمان وتقویٰ کے صحیح فہم اور شعور سے آگاہ ہیں، ان کے لیے اس میں حیرت واستعجاب کا کوئی پہلو نہیں۔ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے، تمام اختیارات اور قوتوں کا مالک وہی اور صرف وہی ہے۔ انسان اس کے سامنے بالکل عاجز اور لاچار ہے۔ لیکن اگر وہ اپنی تمام تر عجز و بے کسی کے باوجود رب کے سامنے جھکنے کے بجائے اکڑے اور اس کے حکم سے سرتابی کرے، تو یہ اللہ کو سخت ناپسند ہے اور اس کی سرکشی کا یہ رویہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ بہت بڑی جسارت ہے۔ جیسے ممولے کا شہباز سے اٹکھیلیاں کرنا اور کنجشک فرومایہ کا ہم دوش سلیمان ہونے کا دعویٰ کرنا، عجیب مضحکہ خیز حرکت ہے، ایسے ہی ایک مُسبِلِ ازار کی حرکت ان سے کہیں زیادہ مبغوض، ناپسندیدہ اور غضبِ الٰہی کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ مُسبِلِ ازار کی بابت ایک حدیث کے ضُعف کی صراحت۔

اسبالِ ازار اگرچہ حرام ہے، لیکن ایسے شخص کا وضو نہیں ٹوٹتا۔ اس کی وضاحت یہاں اس لیے مناسب سمجھی گئی ہے کہ ایک حدیث میں یہ بیان ہوا ہے کہ ایک شخص اپنی ازار ٹخنے سے نیچے لٹکائے نماز پڑھ رہا تھا، نبی ﷺ نے اسے دیکھ کر فرمایا: ''جا اور وضو کر''۔ وہ گیا اور وضو کر

---

[1] سنن أبي داود، اللباس، باب ماجاء في إسبال الإزار، حديث :4084

کے آیا، آپ نے اس سے پھر فرمایا: ''جا اور وضو کر'' وہ پھر آیا۔ ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا بات ہے کہ آپ نے اسے وضو کرنے کا حکم دیا اور پھر اس کی بابت خاموشی اختیار فرمالی؟ آپ نے فرمایا: ''وہ اپنی ازار ٹخنے سے نیچے لٹکائے نماز پڑھ رہا تھا اور اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی نماز قبول نہیں فرماتا جس کی ازار نیچے لٹکی ہوئی ہو۔''[1]

اس حدیث سے دو باتوں کا اثبات کیا جاتا ہے۔ ایک یہ کہ مُسْبِلِ ازار کا وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ دوسری یہ کہ اس کی نماز بھی قبول نہیں ہوتی۔ لیکن چونکہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس لیے اس سے دونوں مذکورہ باتوں کا اثبات نہیں ہوتا۔ (دیکھیے: ضعیف سنن أبی داود للألبانی)

اسبالِ ازار اگرچہ کبیرہ گناہ ہے، لیکن محض اس کی وجہ سے نہ وضو ٹوٹے گا اور نہ نماز کے عدم قبولیت ہی کا فیصلہ کرنا صحیح ہوگا۔

بہر حال بات یہ ہو رہی تھی کہ شلوار، پاجامے کا ٹخنے سے نیچے لٹکانا عنداللہ تکبر کی علامت ہے اور تکبر اللہ کو سخت ناپسند ہے، اس لیے اس کی سزا بھی بڑی سخت ہے۔

اسبالِ ازار کئی گناہوں کا مجموعہ ہے

اسبالِ ازار کو لوگ معمولی بات سمجھتے ہیں جس کی وجہ سے اس گناہ کا ارتکاب عام ہے، اور لوگ اس سے بچنے کا کوئی اہتمام نہیں کرتے، حالانکہ اس پر جہنم کی سخت وعید ہے۔ اس پر اتنی سخت وعید کی وجہ یہ ہے کہ یہ گناہ کئی گناہوں کا مجموعہ ہے۔

1. اسے حدیث میں تکبر قرار دیا گیا اور تکبر اللہ کو سب سے زیادہ ناپسند ہے۔
2. اس میں عورتوں کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے اور یہ بھی نہ صرف ممنوع ہے بلکہ اس پر بھی لعنت وارد ہے، جیسا کہ آگے احادیث میں اس کی وضاحت آئے گی۔

---

[1] سنن أبی داود، الصلاۃ، باب الإسبال فی الصلاۃ، حدیث: 638 واللباس، حدیث: 4086

③ اس میں طہارت کے بجائے، نجاست کا پہلو غالب ہے۔ جب کہ حکم طہارت اختیار کرنے کا اور نجاست سے اجتناب کرنے کا ہے۔ جب شلوار، پاجامہ زمین کے ساتھ لگتا ہوا جائے گا، تو اس میں زمین کی گندگی بھی شامل ہوتی جائے گی، یوں لباس طہارت کے بجائے نجاست کا حامل ہوجاتا ہے اور اللہ تعالیٰ تو اہل طہارت کو پسند فرماتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلتَّوَّٰبِينَ وَيُحِبُّ ٱلْمُتَطَهِّرِينَ ﴿٢٢٢﴾﴾

''اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو اور پاک صاف رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔''[1]

اس کے برعکس نجاست اہل کفر وشرک کی صفت ہے۔

﴿إِنَّمَا ٱلْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ﴾

''مشرک نجس (پلید) ہیں۔''[2]

اس میں اسراف بھی ہے، گو آج کل دولت کی فراوانی کی وجہ سے اسے اسراف نہ سمجھا جائے، لیکن شرعی اعتبار سے اس کے اسراف ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اور اسراف وتبذیر بھی اتنا بڑا جرم ہے کہ ایسے لوگوں کو شیاطین کا بھائی قرار دیا گیا ہے۔

﴿إِنَّ ٱلْمُبَذِّرِينَ كَانُوٓاْ إِخْوَٰنَ ٱلشَّيَٰطِينِ﴾

''بیجا خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔''[3]

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَا تُسْرِفُوٓاْ ۚ إِنَّهُۥ لَا يُحِبُّ ٱلْمُسْرِفِينَ ﴿١٤١﴾﴾

---

① البقرة 222:2

② التوبة 28:9

③ بنی اسرائیل 27:17

''اور اسراف (فضول خرچی) مت کرو، اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''[1]

اس میں اللہ کی معصیت پر اصرار ہے۔ جب کہ متقی لوگوں کی صفت یہ بیان کی گئی ہے۔

﴿وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿١٣٥﴾﴾

''وہ جانتے بوجھتے گناہ پر اصرار نہیں کرتے۔''[2]

یہ علانیۃً معصیت کا اظہار اور ڈنکے کی چوٹ پر اللہ کی نافرمانی کا ارتکاب ہے اور یہ بھی ایک مومن کی شان سے بہت بعید ہے۔ خلوت میں گناہ کر لینا اور بات ہے اور جلوت میں کرنا، علی الاعلان کرنا اور ساری دنیا کو دکھا کر کرنا اور بات ہے۔ ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ دوسری قسم کا گناہ، پہلے گناہ کے مقابلے میں کہیں زیادہ شدید ہے۔ وعلیٰ ھذا القیاس اسبالِ ازار میں اس طرح کی اور بھی بہت سی قباحتیں پائی جاتی ہیں، یوں یہ گناہ کئی گناہوں اور متعدد شوخ چشمانہ جسارتوں کا حامل ہے۔ أعاذنا اللّٰہ منھا۔ اسبالِ ازار میں مذکورہ سب قباحتیں پائی جاتی ہیں۔ لیکن ان میں تکبر کا پہلو سب سے زیادہ نمایاں اور سب سے زیادہ اہم ہے۔ جو اللہ کو بہت ہی زیادہ ناپسند ہے۔

عُجب اور تکبر ہر حال میں اور ہر صورت میں ناپسندیدہ ہے

یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص اچھا لباس پہن کر اور بالوں کو خوب بنا سنوار کر بھی تکبر کا اظہار کرتا ہے، تو یہ بھی سخت ناپسندیدہ ہے اور اس پر بھی وہ مستوجب سزا ہوگا، حالانکہ اچھا لباس پہننا بھی جائز ہے اور بالوں کو تیل کنگھی کرنا اور انھیں سنوارنا بھی جائز ہے، لیکن اس

---

[1] الأنعام 141:6

[2] آل عمران 135:3

میں اگر عُجب اور فخر وغرور کا انداز پیدا ہوجائے گا، تو یہ چیز اسے ناجائز اور قابل سزا جرم بنا دے گی، جیسے حدیث میں ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

«بَيْنَمَا رَجُلٌ يَّمْشِي فِي حُلَّةٍ تُعْجِبُهُ نَفْسُهُ، مُرَجِّلٌ جُمَّتَهُ، إِذْ خَسَفَ اللّٰهُ بِهِ فَهُوَ يَتَجَلْجَلُ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ»

''ایک شخص ایک (عمدہ) جوڑا زیبِ تن کیے جارہا تھا، غرور وتکبر سے اس کا نفس پھولے نہ سمارہا تھا، اس نے شانوں تک پھیلے ہوئے اپنے بالوں کو خوب سنوارا ہوا تھا کہ اللہ نے اسے زمین میں دھنسا دیا، پس وہ قیامت تک (اس میں) دھنستا چلا جائے گا۔''[1]

یہ خوش پوشاکی اور زیبائش و آراستگی کی سزا نہیں ہے، کیونکہ یہ دونوں چیزیں تو جائز ہیں، بلکہ بعض روایات میں اصحابِ حیثیت لوگوں کو اس کی ترغیب دی گئی ہے۔ یہ سزا دراصل اس عجب وغرور اور فخر وتکبر کی ہے جس میں بعض لوگ بیش قیمت لباس پہن کر اور بناؤ سنگار کرنے کے بعد مبتلا ہوجاتے ہیں۔ ان کی یہی حرکت اللہ کو ناپسند آتی ہے اور محبوب سے مغضوب بن جاتے ہیں، کیونکہ اللہ کو تو عاجزی پسند ہے اور عُجب اور تکبر ناپسند ہے، چاہے وہ لباس میں ہو یا چال ڈھال میں، حسن و جمال کے اظہار میں ہو یا بول چال کے انداز میں، رہن سہن (بودوباش) میں ہو یا دوسروں کے ساتھ برتاؤ کرنے میں فخر وغرور کا انداز اور بڑائی کا اِدّعا ہر حالت میں اللہ کو سخت ناپسند ہے۔

فخر وغرور کے بارے میں سخت وعید

احادیث میں اس کی مذمت آئی ہے اور اس کی بابت سخت وعیدیں بیان ہوئی ہیں۔ مثلاً

---

[1] صحیح البخاری، اللباس، باب من جر ثوبه من الخیلاء، حدیث: 5789

ایک حدیث قدسی میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

«اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِي وَالْعَظَمَةُ إِزَارِي، فَمَنْ نَازَعَنِي وَاحِدًا مِّنْهُمَا قَذَفْتُهُ فِي النَّارِ»

''بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میری ازار ہے، جو بھی ان میں سے کسی کو مجھ سے چھینے گا، میں اس کو جہنم میں پھینک دوں گا۔''[1]

ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنْ كِبْرٍ»

''وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ایک رائی کے دانے کے برابر بھی کبر ہوگا۔''[2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک حسین وجمیل شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا:

«يَارَسُولَ اللهِ! إِنِّي رَجُلٌ حُبِّبَ إِلَيَّ الْجَمَالُ وَأُعْطِيتُ مِنْهُ مَا تَرَاهُ حَتَّى مَا أُحِبُّ أَنْ يَّفُوقَنِي أَحَدٌ إِمَّا قَالَ: بِشِرَاكِ نَعْلِي، وَإِمَّا قَالَ: بِشِسْعِ نَعْلِي،أَفَمِنَ الْكِبْرِ ذٰلِكَ؟ قَالَ: لَا، وَلٰكِنَّ الْكِبْرَ مَنْ بَطِرَ الْحَقَّ وَغَمِطَ النَّاسَ»

''اے اللہ کے رسول! مجھے خوب صورتی بہت پسند ہے، مجھے بھی اللہ کی طرف سے جو کچھ دیا گیا ہے، وہ آپ دیکھ رہے ہیں، حتیٰ کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ کوئی مجھ سے برتر

---

① سنن أبي داود، اللباس، باب ماجاء في الكبر، حديث :4090

② سنن أبي داؤد، اللباس، باب ماجاء في الكبر، حديث :4091

ہو، میرے جوتوں کے تسمے میں بھی۔ تو کیا میرا ایسا سمجھنا بھی کِبر ہے؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں، کِبر تو کسی شخص کا وہ رویہ ہے جس کی بنا پر وہ حق کا انکار کر دے اور لوگوں کو حقیر سمجھے۔''[1]

دو اصول، اسراف ہو، نہ تکبر

بہرحال فخر و غرور اور تکبر اللہ کو ناپسند ہے، اسی لیے ایک اور حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

«كُلُوا وَاشْرَبُوا وَتَصَدَّقُوا وَالْبَسُوا مَا لَمْ يُخَالِطْهُ إِسْرَافٌ أَوْ مَخِيلَةٌ»

''کھاؤ، پیو، صدقہ کرو اور لباس پہنو، لیکن اسراف (فضول خرچی) نہ ہو اور تکبر نہ ہو۔''[2]

ایک دوسری حدیث میں ہے جو امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں تعلیقاً ذکر کی ہے:

«كُلْ مَا شِئْتَ وَالْبَسْ مَا شِئْتَ مَا أَخْطَأَتْكَ اثْنَتَانِ: سَرَفٌ أَوْ مَخِيلَةٌ»

''جو چاہو کھاؤ اور جو چاہو پہنو، جب تک دو چیزوں سے تجاوز نہ ہو۔ ایک فضول خرچی اور دوسری تکبر۔''[3]

یہ دو اصول ایسے بتلا دیے گئے ہیں جو نہایت اہم ہیں۔ اگر مسلمان ہر معاملے میں ان دونوں اصولوں کو ملحوظ رکھیں، تو ان کے بہت سے معاشرتی مسائل نہایت آسانی کے ساتھ حل

---

① سنن أبی داود، اللباس، باب ماجاء فی الکبر، حدیث: 4092

② سنن ابن ماجه، اللباس، باب البس ماشئت......، حدیث: 3605

③ صحیح البخاری، آغاز کتاب اللباس

ہو سکتے ہیں، علاوہ ازیں ان میں سادگی کی تلقین و ترغیب بھی ہے۔ اس لیے کہ انسان جتنا تکلف کا اہتمام کرتا ہے، اس میں اسراف کا پہلو بھی شامل ہوتا جاتا ہے اور ریا و نمود اور تکبر کے امکانات بھی بڑھتے جاتے ہیں۔ اس لیے ہر معاملے میں سادگی کا اہتمام اور تکلفات اور شان و شوکت کے اظہار سے اجتناب بہت ضروری ہے۔

سادگی اختیار کرنے کی اور نازونعمت سے اجتناب کی تلقین و تاکید

یہی وجہ ہے کہ سادگی کو ایمان کا حصہ قرار دے کر سادگی اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ جیسے نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«إِنَّ الْبَذَاذَةَ مِنَ الْإِيمَانِ، إِنَّ الْبَذَاذَةَ مِنَ الْإِيمَانِ»

''بَذَاذت (لباس اور رہن سہن میں سادگی) ایمان کا حصہ ہے، بَذَاذت ایمان کا حصہ ہے۔''[1]

اس کے مقابلے میں نازونعمت (عیش پسندی) ہے، اس کی بابت نبی ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے، جب آپ انھیں یمن بھیجنے لگے تھے، فرمایا:

«إِيَّايَ وَالتَّنَعُّمَ، فَإِنَّ عِبَادَ اللهِ لَيْسُوا بِالْمُتَنَعِّمِينَ»

''نازونعمت کی زندگی سے اجتناب کرنا، اس لیے کہ اللہ کے بندے نازونعمت اختیار کرنے والے نہیں ہوتے۔''[2]

گویا بَذَاذت اور تنعُّم ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ بَذَاذت، اہل ایمان کا خاص وصف ہے

---

[1] سنن أبي داود، الترجل، باب النهي عن كثير من الإرفاه، حديث: 4161 وسنن ابن ماجه، حديث: 4118

[2] مسند أحمد، الموسوعة الحديثية، حديث: 22105 والصحيحة للألباني، حديث: 353

اور تنعُّم کا ارتکاب عباداللہ ہونے کے منافی ہے۔ بَذَاذَۃ کیا ہے؟ لباس اور رہن سہن میں سادگی اور فقیر منشی اختیار کرنا۔ اور تَنَعُّم کا مطلب ہے، لباس اور رہن سہن میں تکلف اور امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ اختیار کرنا۔ اس اعتبار سے سادگی پسندیدہ اور عیش پسندی ناپسندیدہ ہے، چنانچہ ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَمَنْ تَرَكَ لُبْسَ ثَوْبِ جَمَالٍ وَّهُوَ يَقْدِرُ عَلَيْهِ تَوَاضُعًا ، كَسَاهُ اللهُ حُلَّةَ الْكَرَامَةِ»

''جس نے طاقت رکھنے کے باوجود تواضع کے طور پر خوب صورتی کا لباس پہننا چھوڑ دیا، اللہ تعالیٰ اسے (جنت میں) عزت کا جوڑا پہنائے گا۔''[1]

یہ روایت سنداً ضعیف ہے (ضعیف ابو داود، رقم: 4348) لیکن اس میں بیان کردہ بات صحیح احادیث کے مطابق اور بذاذت کے مفہوم کی حامل ہے۔ یعنی اس میں بھی سادگی کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

سادگی اور تجمل و آرائش کے درمیان اعتدال کی تاکید

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہیے کہ سادگی کا مطلب، تکلفات و تصنعات سے اور شان و شوکت کے اظہار سے اجتناب کا نام ہے، نہ کہ میلے کچیلے یا پھٹے پرانے لباس میں ملبوس اور پراگندہ اور بدحال رہنا ہے۔ اللہ کا دیا ہوا سب کچھ ہونے کے باوجود فقیرانہ حالت بنائے رکھنا اللہ کی ناشکری بھی ہے اور شریعت میں ناپسندیدہ بھی۔ جیسے حدیث میں ایک واقعہ آتا ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو آپ نے ایک پراگندہ شخص کو دیکھا، اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا:

[1] سنن أبي داود، الأدب، باب من كظم غيظاً، حديث :4778

«أَمَا كَانَ هٰذَا يَجِدُ مَا يُسَكِّنُ بِهِ شَعْرَهُ؟»

''کیا اس کے پاس کوئی ایسی چیز (کنگھی وغیرہ) نہیں ہے جس سے یہ اپنے بالوں کو سنوار لے؟''

نبی ﷺ نے ایک اور آدمی دیکھا جس نے میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے تھے تو آپ نے فرمایا:

«أَمَا كَانَ هٰذَا يَجِدُ مَا يَغْسِلُ بِهِ ثَوْبَهُ»

''کیا اس کے پاس کوئی ایسی چیز (صابن وغیرہ) نہیں ہے جس سے یہ اپنے کپڑے دھو لے؟''[1]

حدیث میں ایک صحابی کا واقعہ آتا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے پاس آیا، میں نے معمولی سا لباس پہنا ہوا تھا۔ آپ نے پوچھا، کیا تیرے پاس کوئی مال ہے؟ انھوں نے کہا۔ ہاں۔ آپ نے پوچھا: ''کس قسم کا مال ہے؟'' انھوں (راویٔ حدیث) نے کہا: اللہ نے مجھے اونٹ بھی دیے ہیں، بکریاں بھی اور گھوڑے، غلام بھی، آپ نے فرمایا:

«فَإِذَا آتَاكَ اللهُ مَالًا فَلْيُرَ أَثَرُ نِعْمَةِ اللهِ عَلَيْكَ وَكَرَامَتِهِ»

''جب اللہ نے تجھے مال و دولت سے نوازا ہے تو اللہ کی اس نعمت کا جو تجھ پر ہوئی اور اس کے فضل و کرم کا اثر تجھ پر نظر آنا چاہیے۔''[2]

سادگی اور آرائش کی پسندیدہ اور ناپسندیدہ صورتیں

اس ساری گفتگو کا خلاصہ اور دلائل شرعیہ کا ماحصل یہ ہے کہ سادگی کی بھی دو صورتیں ہیں،

---

[1] سنن أبي داود، اللباس، باب في الخلقان وفي غسل الثوب، حديث :4062

[2] سنن أبي داود، اللباس، باب في الخلقان وفي غسل الثوب، حديث :4063

ایک پسندیدہ اور دوسری ناپسندیدہ ہے۔ اور تجمل و آرائش کی بھی دو صورتیں ہیں، ایک محمود و مستحسن اور دوسری مذموم و قبیح۔ پسندیدہ سادگی یہ ہے کہ صرف اللہ کی رضا کے لیے لباس اور رہن سہن میں تکلفات و تصنعات سے اجتناب کیا جائے، تاہم اللہ کی دی ہوئی دولت کو معاشرے کے ضرورت مند افراد پر اور دین کی نشر واشاعت پر خرچ کیا جائے۔ یوں اللہ کی دی ہوئی دولت کا اظہار بھی زیادہ بہتر طریقے سے ہو جاتا ہے۔

ناپسندیدہ سادگی یہ ہے کہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی بدحالوں کی سی حالت بنائے رکھنا، یا میلے کچیلے کپڑوں میں ملبوس رہنا اور معاشرے کے ضرورت مندوں پر اور دین کی راہ میں بھی کچھ خرچ نہ کرنا۔ اس کے ڈانڈے بُخل سے جا ملتے ہیں جو نہایت مذموم ہے۔

تجمل و آرائش کی ناپسندیدہ اور مذموم صورت یہ ہے کہ اس میں ایک تو اسراف ہو، دوسرا، اس کا مقصد فخر و غرور کا اظہار اور دوسروں کی تحقیر ہو۔

اور تجمل و آرائش کی مستحسن اور پسندیدہ صورت یہ ہے کہ اس میں اسراف نہ ہو، دوسرے، اس میں دوسروں پر تفوّق و برتری اور ان کے مقابلے میں فخر و غرور کا اظہار نہ ہو۔ تیسرے، اصل مقصد صرف اللہ کی نعمتوں کا اظہار ہو۔ اس لیے کہ ناپسندیدہ امر کِبر ہے، نہ کہ عمدہ لباس، جیسے حدیث میں ہے۔ ایک موقعے پر نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ كِبْرٍ»

''وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ایک ذرّے کے برابر بھی کِبر ہوگا۔''

تو ایک شخص نے کہا:

«إِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ أَنْ يَّكُونَ ثَوْبُهُ حَسَنًا وَّنَعْلُهُ حَسَنَةً»

''آدمی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا لباس اچھا ہو اور اس کا جوتا اچھا ہو، (تو کیا یہ بھی

کبر ہے؟"

نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ، الْكِبْرُ: بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ»

"اللہ تعالیٰ صاحبِ جمال ہے، جمال (خوب صورتی) کو پسند کرتا ہے، کبر کیا ہے؟ حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا۔"[1]

ناپسندیدہ صورت میں ایک لباسِ شہرت بھی ہے جس کی بابت حدیث میں سخت وعید ہے۔

نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ، أَلْبَسَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَوْبًا مِّثْلَهُ - وَفِي رِوَايَةٍ - ثَوْبَ مَذَلَّةٍ - زَادَ عَنْ أَبِي عَوَانَةَ - ثُمَّ تُلَهَّبُ فِيهِ النَارُ»

"جس نے شہرت کا لباس پہنا، اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن اسی کی مثل لباس پہنائے گا (اور ایک روایت کی رو سے، ذلت کا لباس پہنائے گا) پھر اس میں (جہنم کی) آگ کو بھڑکایا جائے گا۔"[2]

لباس شہرت کی ایک صورت تو یہ ہے کہ انسان اس نیت سے لباسِ فاخرہ پہنے کہ لوگوں میں اس کے لباس کا اور اس کی شان و شوکت کا چرچا ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ عام چلن کے برعکس ایسے رنگ کا یا ایسی تراش خراش کا لباس پہنے کہ اس کی اس طرفہ طرازی کی وجہ سے اس کی شہرت ہو۔ تیسری صورت یہ ہے کہ ریا کاری کے طور پر فقراء و مساکین کے روپ میں رہے تاکہ لوگ اسے پارسا اور پرہیز گار سمجھیں۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ محض نمود و نمائش

---

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب تحريم الكبر و بيانه، حديث :91

[2] سنن أبي داود، اللباس، باب في لبس الشهرة، حديث :4029

کی نیت سے کسی مخصوص قسم کے لوگوں کا لباس اوران کے طوراطوار اختیار کیے جائیں۔

یہ سب صورتیں ناپسندیدہ ہیں اوران کی وجہ سے مذکورہ وعید کا انسان مستحق قرار پا سکتا ہے۔(اَعَاذَنا اللّٰه منها)

شلوار،قمیص بہت پسندیدہ لباس ہے

نبی ﷺ کے زمانے میں عام لباس دو چادریں تھیں، اوپر والی چادر کو رداء، کساء اور نیچے والی چادر کو ازار کہا جاتا تھا، بعض دفعہ ایک ہی چادر سے بھی گزارا کرلیا جاتا تھا، اس صورت میں مرد کا اوپر والا حصہ ننگا رہتا تھا اور مرد کے لیے جسم کے بالائی حصے کو (ناف سے سر تک) ننگا کرنا اور رکھنا جائز ہے۔ تاہم بعض لوگ قمیص اور سراویل (شلوار) بھی استعمال کرتے تھے، چادروں کے مقابلے میں ان میں پردہ زیادہ ہے۔ اس لیے نبی ﷺ نے قمیص کو پسند فرمایا ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

«كَانَ أَحَبَّ الثِّيَابِ إِلٰى رَسُولِ اللهِ ﷺ الْقَمِيصُ»

"رسول اللہ ﷺ کو سب سے زیادہ پسندیدہ لباس قمیص تھا۔"[1]

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جو لباس جتنا زیادہ سَاتِر (پردہ پوش) ہوگا، اتنا ہی وہ زیادہ پسندیدہ ہوگا۔ جب مردوں کے معاملے میں یہ صورت حال ہے، تو عورتوں کے لیے تو مکمل پردہ پوشی کا حکم ہے، عورتوں کا اس سے انحراف کس طرح پسندیدہ ہوسکتا ہے؟

درندوں اور چیتوں کی کھالوں کا لباس اور زین پوش ممنوع ہے

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] سنن ابی داود، اللباس، باب ماجاء فی القمیص، حدیث :4025

«لَا تَرْكَبُوا الْخزَّ وَلَا النِّمَارَ»

''(خالص) ریشمی کپڑے پر سوار ہو، نہ چیتوں (کی کھالوں) پر۔''[1]

یعنی ان کے زین پوش اور گدّی وغیرہ نہ بناؤ جن پر سوار ہو اور بیٹھو۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَصْحَبُ الْمَلَائِكَةُ رُفْقَةً فِيهَا جِلْدُ نَمِرٍ»

''فرشتے ان لوگوں کے پاس نہیں جاتے جن کے پاس چیتے کی کھال ہوتی ہے۔''[2]

ابو ملیح بن اسامہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں:

«أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهٰى عَنْ جُلُودِ السِّبَاعِ»

''رسول اللہ ﷺ نے درندوں کی کھالوں (چمڑوں) سے منع فرمایا ہے۔''[3]

کھالوں سے منع فرمانے کا مطلب، اس کے استعمال سے منع فرمانا ہے۔ اس حکم کی رُو سے ہر قسم کے درندوں کی کھالوں سے لباس یا گدیاں وغیرہ بنانا یا اسی قسم کے کسی اور استعمال میں لانا جائز نہیں۔

انگوٹھی پہننے کا مسئلہ

مردوں کے لیے سونے کی انگوٹھی ممنوع ہے، البتہ چاندی کی انگوٹھی جائز ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ نبی ﷺ نے

«نَهٰى عَنْ خَاتَمِ الذَّهَبِ»

---

[1] سنن أبی داود، اللباس، باب فی جلود النمور والسباع، حدیث: 4129

[2] سنن أبی داود، اللباس، باب فی جلود النمور والسباع، حدیث: 4130

[3] سنن أبی داود، اللباس، باب فی جلود النمور والسباع، حدیث: 4132

''سونے کی انگوٹھی سے منع فرمایا ہے۔''[1]

لیکن بدقسمتی سے ہمارے موجودہ معاشرے میں مسلمان کہلانے والے مردوں میں بھی سونے کی انگوٹھی پہننے کا رواج بڑھتا جارہا ہے اور منگنی کی جو مسرفانہ رسمیں عام ہیں، ان میں ایک منگیتر کے لیے سونے کی انگوٹھی کا خصوصی اہتمام بھی ہے اور نوجوان منگیتر اسے بڑی خوشی بلکہ فخر سے پہنتا اور پھر پہنے پھرتا ہے اور تمام احباب و اقارب کو فخریہ طور پر دکھلاتا ہے، حالانکہ یہ ایک کبیرہ گناہ ہے۔ بنا بریں جو لوگ اپنے ہونے والے داماد کے لیے سونے کی انگوٹھی تیار کرواتے ہیں، وہ بھی سخت گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں اور پہننے والے بھی سخت مجرم ہیں۔ ایسے لوگوں کو اس حدیث پر غور کرنا چاہیے جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی، تو آپ نے اسے اس کے ہاتھ سے اتار کر پھینک دیا اور فرمایا:

«يَعْمِدُ أَحَدُكُمْ إِلٰى جَمْرَةٍ مِّنْ نَّارٍ فَيَجْعَلُهَا فِي يَدِهِ»

''تم میں سے ایک شخص آگ کے انگارے کا ارادہ کرتا ہے اور اسے اپنے ہاتھ میں رکھ لیتا ہے۔''

انگوٹھی پھینک کر اور مذکورہ ارشاد فرما کر رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے۔ آپ کے جانے کے بعد لوگوں نے اس آدمی سے کہا: تم اپنی انگوٹھی پکڑ لو اور (اسے پہننے کے بجائے بیچ کر) اس سے فائدہ اٹھا لو۔ لیکن اس شخص نے کہا:

«لَا، وَاللّٰهِ! لَا آخُذُهُ أَبَدًا، وَقَدْ طَرَحَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ»

''نہیں، اللہ کی قسم! جس چیز کو رسول اللہ ﷺ نے پھینک دیا، میں اس کو کبھی بھی نہیں

---

[1] صحيح البخاري، اللباس، باب خواتيم الذهب، حديث:5864

پکڑوں (لوں) گا۔''[1]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرد کے لیے سونے کی انگوٹھی ، جہنم کا انگارہ ہے۔ جو لوگ خوفِ الٰہی سے بے نیاز، عذابِ جہنّم سے بے خوف اور آخرت کی باز پُرس سے بے پروا ہیں، ان کے لیے تو یہ احکامِ شریعت اور فرامینِ رسول یقیناً کوئی حیثیت نہیں رکھتے اور وہ اپنی اس شیطانی روش پر گامزن رہیں تو کوئی حیرت و استعجاب والی بات نہیں۔لیکن جو لوگ دینی شعور سے بہرہ ور ہونے کے باوجود ایسا کریں تو وہ عنداللہ اس جرمِ عظیم کا کیا جواب دیں گے؟ کیا عنداللہ یہ عذر قابل قبول ہوسکتا ہے کہ منگنی کے موقعے پر سونے کی انگوٹھی کا عام رواج تھا؟ یا اگر ہم منگیتر کے لیے سونے کی انگوٹھی نہ بناتے تو خاندان میں ہماری ناک کٹ جاتی؟ یا ہم معاشرے میں نکّو بن کر رہ جاتے؟ ان میں سے کوئی عذر بھی اللہ کے ہاں مسموع ہوسکتا ہے؟

سونے کے علاوہ دوسری دھاتوں کی انگوٹھی پہننے کا جواز

چاندی کی انگوٹھی کی بابت تو صراحت موجود ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ کی انگوٹھی، جو آپ نے مہر لگانے کے لیے بنوائی تھی، چاندی کی تھی اور اس میں محمد رسول اللہ نقش تھا۔[2]

لوہے کی انگوٹھی سے ممانعت کی ایک حدیث سنن ابو داود (حدیث: 4223) میں آتی ہے۔لیکن وہ ضعیف ہے۔ اس لیے اس سے ممانعت ثابت نہیں ہوتی۔ غالبًا اسی وجہ سے امام بخاری کا رجحان اس کے جواز کا معلوم ہوتا ہے، چنانچہ امام صاحب نے اپنی ''صحیح'' میں باب باندھا ہے، باب خاتم الحدید۔ اور اس میں وہ حدیث ذکر کی ہے جس میں رسول اللہ نے ایک نادار صحابی کو مَہر کی ادائیگی کے لیے فرمایا تھا۔

---

[1] صحیح مسلم، اللباس، باب تحریم خاتم الذھب علی الرجال......حدیث :2090

[2] صحیح البخاری، باب نقش الخاتم، حدیث :5872

«اِذْهَبْ فَالْتَمِسْ وَلَوْ خَاتَمًا مِّنْ حَدِيدٍ»

''جا اور کچھ تلاش کر کے لا، چاہے لوہے کی انگوٹھی ہو۔''[1]

اس سے لوہے کی انگوٹھی کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

اس کے علاوہ ہمارے ملک میں مختلف پتھروں کی انگوٹھیوں کا بھی رواج عام ہے، جیسے عقیق، فیروزہ وغیرہ قسم کے پتھروں کی انگوٹھیاں۔ بظاہر ان کے عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ البتہ اکثر لوگ مختلف پتھروں کی مختلف تاثیر بیان کرتے ہیں اور انھی تاثیرات کی بنیاد پر وہ ان کا انتخاب کرتے ہیں۔ ان پتھروں کی انگوٹھیوں کی بابت اس قسم کا عقیدہ رکھنا اور اس کی بنیاد پر ان کو پہننا ناجائز اور حرام ہے۔

سفید رنگ کا لباس اور کفن پسندیدہ ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«خَيْرُ ثِيَابِكُمُ الْبَيَاضُ، فَالْبَسُوهَا، وَكَفِّنُوا فِيهَا مَوْتَاكُمْ»

''تمھارے کپڑوں میں بہترین کپڑا سفید ہے، اس لیے تم اسے پہنو اور اسی کا اپنے مُردوں کو کفن پہناؤ۔''[2]

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اِلْبَسُوا ثِيَابَ الْبَيَاضِ، فَإِنَّهَا أَطْهَرُ، وَأَطْيَبُ»

''سفید لباس پہنو، اس لیے کہ یہ بہت پاکیزہ اور عمدہ ہے۔''[3]

---

[1] صحیح البخاری، اللباس، باب خاتم الحدید، حدیث: 5871

[2] سنن ابن ماجه، اللباس، باب البياض من الثياب، حديث: 3566

[3] سنن ابن ماجه، اللباس، باب البياض من الثياب، حديث: 3567

اس کی وجہ غالبًا یہی ہے (جیسا کہ اس دوسری حدیث میں اشارہ ہے) کہ سفید لباس میں داغ اور میل کچیل بہت نمایاں ہوجاتا ہے جس کی وجہ سے انسان اس کو صاف کرنے کا خصوصی اہتمام کرتا ہے۔ اور یوں سفید لباس دوسرے رنگوں والے لباسوں کے مقابلے میں زیادہ پاک صاف رہتا ہے۔

دوسرے رنگوں کا لباس

سفید رنگ کے علاوہ دوسرے رنگوں کا لباس بھی جائز ہے سوائے ان رنگوں کے جن کی ممانعت آتی ہے جیسے زعفرانی رنگ کا لباس مردوں کے لیے ممنوع ہے۔ یہ رنگ نبی ﷺ کے زمانے میں عورتیں استعمال کرتی تھیں، اس لیے آپ نے اسے مردوں کے لیے ممنوع قرار دے دیا۔ اس سے یہ اصول معلوم ہوا کہ جو رنگ عام طور پر عورتوں میں رائج ہو، وہ مردوں کے لیے ممنوع ہوگا۔ اسی طرح جو رنگ باطل مذاہب کا مخصوص شعار شمار ہوتا ہو، اس کا استعمال بھی، ان سے مشابہت کی وجہ سے ممنوع قرار پائے گا، اس لیے کہ عورتوں کی مشابہت بھی ممنوع ہے اور غیروں کی مشابہت اختیار کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

جوتے پہننے اور اتارنے کا طریقہ

اسلام کی کاملیت بلکہ اکملیت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس میں زندگی کے ہر معاملے میں ہدایات ملتی ہیں حتی کہ جوتے پہننے کے بارے میں بھی، جیسے نبی ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ ایک پیر میں جوتا ہو اور دوسرا پیر بغیر جوتے کے ہو، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَمْشِي أَحَدُكُمْ فِي نَعْلٍ وَّاحِدَةٍ، لِّيُنْعِلْهُمَا جَمِيعًا أَوْ

لِيُحْفِهِمَا جَمِيعًا»

''تم میں سے کوئی شخص ایک جوتے میں نہ چلے، دونوں پہنے یا دونوں اتار دے۔''①

اس لیے کہ ایک پیر میں جوتا ہو اور دوسرا پیر ننگا ہو، تو چلنے میں توازن برقرار نہیں رہے گا جس سے ایک تو آرام وسکون نہیں ملے گا۔ دوسرے گرنے اور ٹھوکر کھانے کا امکان رہے گا۔

اسی طرح ایک اور ہدایت نبی ﷺ نے ذیل کی حدیث میں دی ہے، فرمایا:

«إِذَا انْتَعَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِالْيَمِينِ وَإِذَا انْتَزَعَ فَلْيَبْدَأْ بِالشِّمَالِ»

''جب تم میں سے کوئی جوتا پہنے تو پہلے دائیں پیر میں پہنے اور جب اتارے تو پہلے بائیں پیر سے اتارے۔''②

ہر معاملے میں دائیں جانب کا اختیار کرنا پسندیدہ ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں:

«كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُحِبُّ التَّيَمُّنَ فِي طُهُورِهِ وَتَرَجُّلِهِ وَتَنَعُّلِه»

''نبی ﷺ اپنے وضو میں، کنگھی کرنے میں اور جوتا پہننے میں دائیں جانب کو پسند فرماتے تھے۔''③

لباس پہنتے وقت بھی دائیں جانب کا لحاظ رکھا جائے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

«كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا لَبِسَ الْقَمِيصَ بَدَأَ بِمَيَامِنِهِ»

① صحيح البخاری، اللباس، باب : لايمشى فى نعل واحدة، حديث :5855

② صحيح البخاری، اللباس، باب : ينزع نعله اليسرٰى، حديث :5856

③ صحيح البخاری، اللباس، باب : يَبْدَأُ بالنعل اليمنٰى حديث :5854

''رسول اللہ ﷺ جب قمیص پہنتے تو آغاز دائیں جانب سے کرتے۔''[1]

دو طرح کا لباس ممنوع ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں:

«نَهٰی رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ لِبْسَتَيْنِ : أَنْ يَّحْتَبِيَ الرَّجُلُ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ لَيْسَ عَلٰى فَرْجِهِ مِنْهُ شَيْءٌ، وَّأَنْ يَّشْتَمِلَ بِالثَّوْبِ الْوَاحِدِ لَيْسَ عَلٰى أَحَدِ شِقَّيْهِ........الحديث»

''نبی ﷺ نے دو طرح کے لباس پہننے سے منع فرمایا ہے۔ ایک یہ کہ آدمی ایک کپڑے میں اس طرح احتباء کرے کہ اس کی شرمگاہ پر اس کے کپڑے سے کچھ نہ ہو (یعنی ننگی ہو جائے۔) دوسرا یہ کہ ایک کپڑے کے ساتھ اس طرح اشتمال کرے (اپنے جسم پر لپیٹ لے) کہ اس کا ایک پہلو ننگا ہو جائے۔''[2]

یہ دوسری صورت اس لیے ممنوع ہے کہ اس میں بھی شرم گاہ کے ننگے ہونے کا امکان ہے۔ اگر ایسا نہ ہو، تو پھر اشتمال جائز ہے۔ (دیکھیے: فتح الباری، شرح حدیث: 5820) اسے اشتمالِ صَمّاء کہا جاتا ہے۔

بعض نے احتباء اور اشتمال کے اس سے مختلف معانی بیان کیے ہیں، ان کے نزدیک احتباء یہ ہے کہ آدمی اپنی سرینوں پر بیٹھ جائے اور اپنی پنڈلیوں کو کھڑا کرلے۔ اور ان پر کپڑا لپیٹ لے یا دونوں ہاتھ ان پر رکھ لے اسے عربی میں حَبْوَہ اور اردو میں اُکڑوں بیٹھنا کہا جاتا ہے۔ یہ اس صورت میں ممنوع ہے جب کپڑا ایک ہی ہو، کیونکہ اس صورت میں اس کی شرمگاہ

---

[1] جامع الترمذی، اللباس، باب ما جاء فی القمیص، حدیث: 1766

[2] صحیح البخاری، اللباس، باب الاحتباء فی ثوبٍ واحدٍ، حدیث: 5821

کے ظاہر ہونے کا خدشہ ہے۔لیکن اگر کپڑے دو ہوں اوراس طرح بیٹھنے میں شرمگاہ پر کسی کی نظر نہ پڑتی ہو،تو پھراس طرح بیٹھنا جائز ہوگا۔ اوراشتمال یہ ہے کہ ایک ہی کپڑے کو اپنے جسم پر اس طرح لپیٹ لے کہ اس سے ہاتھ نکالنا بھی مشکل ہوجائے۔ یہ اس لیے ممنوع ہے کہ بعض دفعہ انسان کو فوری طور پر اپنے ہاتھ نکالنے کی ضرورت پیش آجاتی ہے، ورنہ اسے سخت نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ اگر ہاتھ وغیرہ فوری طور پر نکالنا مشکل نہ ہوتو پھر اس کا بھی جواز ہوگا۔

اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اشتمالِ صماء یا احتباء یہ دونوں اس وقت ممنوع ہوں گے جب ایک کپڑے میں ایسا کیا جائے کیونکہ شرمگاہ کے ظاہر ہونے کا اندیشہ بھی اسی صورت میں ہوتا ہے اور ہاتھوں کا باہر نکالنا بھی اسی صورت میں متعذر ہوتا ہے۔ دو کپڑوں میں جیسا کہ آج کل عمومی لباس یہی ہے، دونوں باتوں کا اندیشہ نہیں ہے۔اس سے یہ اصول معلوم ہوا کہ ایسا لباس ممنوع جس میں شرمگاہ کے ظاہر ہونے کا امکان ہو یا اس کی وجہ سے انسان کا اپنے اعضاء کو فوری حرکت دینا ممکن نہ ہو۔

ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر لیٹنا بھی ممنوع ہے

یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ نے چت لیٹنے کی صورت میں ٹانگ پر ٹانگ رکھنے سے بھی منع فرمایا ہے کہ

«أَنْ يَّرْفَعَ الرَّجُلُ إِحْدٰى رِجْلَيْهِ عَلَى الْأُخْرٰى، وَهُوَ مُسْتَلْقٍ عَلٰى ظَهْرِهِ»

’’آدمی چت لیٹ کر اپنا ایک پاؤں (ٹانگ) دوسرے پاؤں پر رکھے۔‘‘[1]

---

[1] صحيح مسلم، اللباس، باب النهي عن اشتمال......، حديث: 2099

یہ ممانعت بھی ایک کپڑے کی صورت ہی میں ہوگی۔ دو کپڑوں میں چونکہ اس طرح لیٹنے سے کشفِ عورت کا امکان نہیں، اس لیے دو کپڑوں میں اس طرح لیٹنا بھی جائز ہوگا۔

عورتوں کی مشابہت اختیار کرنا ممنوع ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

«لَعَنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْمُتَشَبِّهِينَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَالْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ»

''رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے اُن مَردوں پر جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں اور اُن عورتوں پر جو مَردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں۔''[1]

اس حدیث کی رُو سے مَردوں کے لیے عورتوں کی اور عورتوں کے لیے مردوں کی مشابہت ممنوع اور حرام ہے۔ اور یہ مشابہت عام ہے، لباس میں ہو یا چال ڈھال میں، زیب وزینت کے انداز میں ہو یا طرزِ گفتگو میں، شکل وصورت میں ہو یا عادات واطوار میں، ان سب باتوں میں ایک دوسرے کی نقالی اور مشابہت اختیار کرنا ناجائز ہے۔

اس اعتبار سے مردوں کے لیے حسب ذیل چیزیں حرام ہوں گی:

* عورتوں کا سا لباس پہننا۔ وہ وضع و ہیئت کے اعتبار سے ہو یا مخصوص صفت کے اعتبار سے جیسے چمکیلا اور بھڑکیلا لباس وغیرہ۔
* اُن رنگوں کا استعمال جو اپنے اپنے علاقوں کے اعتبار سے عورتوں کے لیے مخصوص ہوں۔
* چال ڈھال میں عورتوں کا سا انداز اختیار کرنا۔
* گفتگو میں نسوانی انداز اپنانا۔
* شکل وصورت عورتوں کی طرح بنانا (جیسے ڈاڑھی منڈا کر اس جُرم کا ارتکاب کیا

---

[1] صحيح البخاري، اللباس، باب المتشبهين بالنساء......، حديث: 5885

جاتا ہے)۔

* عورتوں کی سی زیب و زینت اختیار کرنا۔ جیسے آج کل بہت سے نوجوان سونے کی چین اپنے گلوں میں ڈالے پھرتے ہیں، یا سونے کی انگوٹھی پہنتے یا کانوں میں بالیاں لٹکا لیتے ہیں، یا عورتوں کی طرح میک اپ اور سولہ سنگھار کرتے ہیں۔

مُخَنَّث اور اس کا حکم

نبی ﷺ اس معاملے میں اتنے حساس تھے کہ جو مرد قدرتی طور پر مردانہ خصائص اور جذبات سے محروم تھے جن کو عربی میں مُخنّث اور اُردو میں ہیجڑہ کہا جاتا ہے۔ ان کو بھی آپ نے اپنے گھروں میں آنے سے منع فرما دیا تھا، جیسے زوجۂ مطہرہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ ان کے گھر تشریف لائے۔ تو وہاں ان کے پاس ایک مخنّث تھا۔ اس مُخنّث نے آپ کی موجودگی میں حضرت ام سلمہ کے بھائی سے بعض عورتوں کے وصف کا تذکرہ کیا، آپ نے اس کی باتیں سن کر فرمایا:

«لَا يَدْخُلَنَّ هٰؤُلَاءِ عَلَيْكُنَّ»

''یہ لوگ تمھارے پاس نہ آیا کریں۔''[1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں:

«لَعَنَ النَّبِيُّ ﷺ الْمُخَنَّثِينَ مِنَ الرِّجَالِ، وَالْمُتَرَجِّلَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَقَالَ: أَخْرِجُوهُمْ مِّنْ بُيُوتِكُمْ»

''نبی ﷺ نے ان مَردوں پر لعنت فرمائی جو عورت بننے کی کوشش کرتے ہیں اور ان عورتوں پر بھی جو مرد بننے کی کوشش کرتی ہیں اور آپ نے فرمایا: تم ان کو اپنے گھروں

---

[1] صحيح البخاري، اللباس، باب إخراج المتشبهين بالنساء من البيوت، حديث: 5887

سے نکال دو۔''[1]

مُخَنَّث، اس کو کہا جاتا ہے جو حرکات وسکنات اور گفتگو میں پیدائشی طور پر عورتوں کے مشابہ ہو۔ اس کو ہم اردو میں ہیجڑہ کہتے ہیں۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ ایسے لوگ چونکہ پیدائشی طور پر ایسے ہوتے ہیں، اس لیے وہ قابل ملامت نہیں، کیونکہ وہ عورتوں کی مشابہت اپنے ارادے سے اختیار نہیں کرتے، بلکہ خَلْقتاً ان کے اندر یہ چیز ہوتی ہے۔ دوسرے علماء کی رائے یہ ہے کہ بلاشبہ یہ مشابہت پیدائشی ہے لیکن ایسے شخص کے لیے ضروری ہے کہ ایک تو وہ اس کا علاج کروائے۔ دوسرے خود بھی کوشش کر کے زنانہ صفات اورانداز سے اپنے آپ کو بچائے اور مردانہ انداز اور صفات اپنے اندر پیدا کرے، گفتگو میں بھی، چال ڈھال میں بھی اور حرکات وسکنات میں بھی۔

علاج معالجہ اور مردانہ خصوصیات اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کے باوجود اگر وہ عورتوں کی مشابہت کو ختم کرنے میں کامیاب نہ ہوسکا، تو پھر یقیناً وہ عنداللہ مجرم نہیں ہوگا، بشرطیکہ اس کی زندگی صالحیت اور تقوی کی آئینہ دار رہی ہوگی۔ بصورت دیگر اس کو تشابہ بِالنِسَاء کے جرم سے بری قرار دینا مشکل ہے۔ حدیث مبارکہ میں اس مُخَنَّث کو گھر میں داخل ہونے سے روکنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس کی باتوں سے نبی ﷺ نے اندازہ لگا لیا کہ یہ اگرچہ پیدائشی طور پر مُخَنَّث ہے لیکن اس نے اپنی اصلاح کی کوشش نہیں کی۔ علاوہ ازیں اس کے اندر عورتوں کی طرف بھی رغبت ہے جب کہ اس کو گھروں کے اندر آنے کی اجازت اس لیے ملی ہوئی تھی کہ اسے ان چیزوں سے بے رغبت خیال کیا جاتا تھا۔

سَر کو ڈھانپ کر رکھا جائے یا ننگا؟

سَرْ بھی انسانی جسم کا حصہ ہے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آیا اس کو ننگا رکھا جائے یا

[1] صحیح البخاری، اللباس، باب اخراج المتشبھین......، حدیث: 5886

کسی نہ کسی چیز سے ڈھانپ کر؟ نبی ﷺ کی احادیث میں یا آپ کے اسوۂ حسنہ میں اس کی بابت کچھ رہنمائی ملتی ہے یا نہیں؟ یا لباس کی بابت جو اسلامی ہدایات ہیں ان کی رو سے کون سی صورت پسندیدہ ہے، ننگے سر کی یا ڈھانپے ہوئے سر کی؟

ہماری ناقص رائے میں سر کو مستقل طور پر ننگا رکھنا، ناپسندیدہ صورت ہے۔ پسندیدہ اور مستحسن صورت سر کو ڈھانپ کر ہی رکھنا ہے، نماز کی حالت میں بھی اور دیگر حالات میں بھی۔ نبی ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے، اسلامی تعلیمات و ہدایات بھی اسی بات کی متقاضی ہیں اور ہمارے اکابر اسلاف کا طرزِ عمل بھی سر ڈھانپ کر ہی رکھنا رہا ہے۔ اس کے مختصر دلائل حسب ذیل ہیں:

* نبی ﷺ کے وضو کے بیان میں عمامے (پگڑی) پر مسح کرنے کا ذکر ملتا ہے، جیسے صحیح بخاری میں حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں:

«رَأَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَمْسَحُ عَلٰی عِمَامَتِهِ وَخُفَّیْهِ»

''میں نے نبی ﷺ کو دیکھا، آپ اپنی پگڑی اور موزوں پر مسح کرتے تھے۔''[1]

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«أَنَّ نَبِیَّ اللهِ ﷺ مَسَحَ عَلَى الْخُفَّیْنِ، وَمُقَدَّمِ رَأْسِهِ، وَعَلٰی عِمَامَتِهِ»

''نبی ﷺ نے موزوں پر، اپنے سر کے اگلے حصے (پیشانی) پر اور اپنی پگڑی پر مسح کیا۔''[2]

حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

---

[1] صحیح البخاری، الوضوء، باب المسح علی الخفین، حدیث: 205

[2] صحیح مسلم، الطهارة، باب المسح علی الناصیة والعمامة، حدیث: 274

«أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ مَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ وَالْخِمَارِ»

''رسول اللہ ﷺ نے موزوں اور پگڑی پر مسح کیا۔''[1]

خِمَار، اس کپڑے کو کہا جاتا ہے جس سے سر ڈھانپا جاتا ہے، اسی لیے عورت کی اوڑھنی اور دوپٹے کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے، یہاں یہ لفظ عمامہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے، کیونکہ عمامہ (یا پگڑی) بھی اسی کو کہا جاتا ہے جس سے سر کو ڈھانپا جاتا ہے۔

حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ خَطَبَ النَّاسَ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ»

''رسول اللہ ﷺ نے اس حال میں لوگوں کو خطبہ دیا کہ آپ کے سر مبارک پر کالی پگڑی تھی۔''[2]

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ»

''نبی ﷺ فتح مکہ کے دن (مکے میں) داخل ہوئے تو آپ کے سر مبارک پر کالی پگڑی تھی۔''[3]

ایک ضروری وضاحت

صحیح مسلم ہی کی ایک دوسری روایت میں اور صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ نبی ﷺ

---

[1] صحيح مسلم، الطهارة، باب المسح على الناصية......، حديث: 275

[2] صحيح مسلم، الحج، باب جواز دخول مكة بغير إحرام، حديث: 1359

[3] صحيح مسلم، الحج، باب جواز دخول مكة بغير إحرام، حديث: 1358

منة المنعم فى شرح صحيح مسلم، جلد دوم، ص: 347، تاليف مولانا صفى الرحمن مباركپورى حفظه الله، مطبوعه دارالسلام

جب مکے میں داخل ہوئے تو آپ کے سر پر خَو د تھا (یہ ہیلمٹ کی طرح لوہے کا بنا ہوا تھا جو جنگ کے موقع پر سر کی حفاظت کے لیے پہنا جاتا تھا) شارحین نے ان دونوں قسم کی روایات کے درمیان یہ تطبیق دی ہے کہ ہوسکتا ہے لوہے کے زنگ سے سر کو بچانے کے لیے خَو د کے نیچے عمامہ ہو اور خَو د (مِغْفَر) اس کے اوپر ہو۔ یا عمامہ خَو د کے اوپر لپیٹا ہوا ہو۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ دخول کے وقت ابتدا میں آپ کے سر مبارک پر خَو د ہو، پھر آپ نے خَو د اتار کر عمامہ باندھ لیا ہو، اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ خطبے کے وقت آپ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا۔ اس لیے کہ آپ نے خطبہ کعبے کے دروازے کے پاس اس وقت ارشاد فرمایا تھا جب فتح مکہ کے سارے مراحل طے ہو چکے تھے۔

امام نووی نے بھی اپنی شرح میں قاضی عیاض کے حوالے سے یہی آخری توجیہ بیان کی ہے۔ بنا بریں یہ آخری توجیہ ہی زیادہ صحیح ہے۔ اس توجیہ کی بنیاد پر بلا شبہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ دونوں روایات صحیح ہیں، نیز یہ کہ خطبے کے موقع پر آپ کے سر مبارک پر عمامہ تھا۔ علاوہ ازیں اس سے پہلے آپ کے سر پر خَو د تھا، اس سے بھی تو یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ ننگے سر بہر حال نہیں تھے۔ دونوں حالتوں میں (خَو د کے وقت اور عمامے کے وقت) آپ کا سر ڈھکا ہوا ہی تھا، ننگا نہیں تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

«كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا اعْتَمَّ سَدَلَ بَيْنَ كَتِفَيْهِ»

''نبی ﷺ جب پگڑی باندھتے تو اس کا کنارہ دونوں کندھوں کے درمیان (پیچھے) چھوڑ دیتے تھے۔''[1]

حضرت عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:

---

[1] جامع الترمذی، اللباس، باب فی سدل العمامة بین الکتفین، حدیث: 1736

«أَخْبَرَنَا أَشْيَاخُنَا أَنَّهُمْ رَأَوْ أَصْحَابَ النَّبِيِّ ﷺ يَعْتَمُّونَ وَيُرْخُونَهَا بَيْنَ أَكْتَافِهِمْ»

''ہمیں ہمارے شیوخ نے بتلایا کہ انھوں نے صحابۂ کرام کو دیکھا، وہ پگڑیاں باندھتے تھے۔ اوران کا کنارہ اپنے کندھوں کے درمیان پیچھے ڈال لیتے تھے۔''[1]

مذکورہ احادیث سے یہ بات واضح ہوئی کہ متعدد صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نبی ﷺ کی مختلف حالتوں میں آپ کے سرمبارک کی کیفیت کو بیان کیا ہے جس میں ایک ہی کیفیت کا بیان ہے کہ آپ کے سر پر پگڑی ہوتی تھی۔ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کا معمول سر ڈھانپ کر رکھنا تھا نہ کہ ننگے سر رہنا۔ اور یہی معمول صحابۂ کرام کا تھا جیسا کہ حضرت عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان گزرا۔ اور شیخ البانی نے اسے نقل کر کے لکھا ہے کہ صحابۂ کرام کا یہ عمل نبی ﷺ کے اتباع میں تھا۔

«فَإِنَّ الظَّاهِرَ أَنَّهُمْ فَعَلُوا ذٰلِكَ اتِّبَاعًا ـ وَاللهُ أَعْلَمُ»

نبی ﷺ کے زمانے میں مسلمانوں کا عام شیوہ سر کو ڈھانپ کر ہی رکھنا تھا، اس امر کی وضاحت اس سے بھی ہوتی ہے کہ نبی ﷺ نے مُحرِم کو احرام کی حالت میں سر پر پگڑی اور ٹوپی پہننے سے منع فرمایا ہے، چنانچہ ایک آدمی نے نبی ﷺ سے پوچھا: ''مُحرِم کون سے کپڑے پہنے؟'' آپ نے فرمایا: ''نہ تم قمیص پہنو، نہ پگڑی، نہ شلوار اورنہ ٹوپی اور نہ موزے......''[2]

حالتِ احرام میں ان مذکورہ چیزوں سے روکنے کا مطلب یہ ہے کہ عام حالات میں یہ سب چیزیں ان کے لباس کا حصہ تھیں، ورنہ ان سے روکنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی،

---

[1] الصحيحة، للألبانی، حديث : 717، بحواله ابن أبی شيبه، و سنده صحيح

[2] صحيح البخاری، اللباس، باب البرانس، حديث :5803

اوران چیزوں میں جہاں قمیص شلوار اور موزے ہیں، پگڑی اور ٹوپی بھی ہیں۔ برانس، برنس کی جمع ہے جو ایک قسم کی ٹوپی ہوتی تھی۔

اللہ تبارک تعالیٰ کا فرمان:

﴿ خُذُواْ زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ ﴾

''ہر نماز کے وقت اپنی زینت اختیار کرو۔''[1]

کا مفاد بھی یہی ہے کہ نماز کے وقت خصوصی طور پر انسان اپنے اس پورے لباس میں ہو جو رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام کا عام لباس تھا، کیونکہ انھی کا لباس وہ زینت ہے جسے اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے، نہ کہ بعد کے لوگوں کا معیارِ زینت، جو بدلتا رہا ہے اور بدلتا رہے گا، جیسے آج کل سر ڈھانپنے کو زینت کے خلاف سمجھ لیا گیا ہے، اسی طرح انگریزی لباس معیارِ زینت قرار پایا ہے اور عورتوں کی بے لباسی زینت متصور کی جا رہی ہے۔ ''زینت'' کے یہ سارے معیار مردود بھی ہیں اور مذموم بھی۔ قرآنی زینت کا معیار وہی زینت ہے جو اللہ کے رسول ﷺ اور ان کے اِتباع میں صحابۂ کرام نے اختیار کی۔ اور وہ ہے جسم پر دو سادہ لباس، رداء اور ازار یا شلوار قمیص اور سر پر عمامہ یا ٹوپی اور عورت کے سر پر اوڑھنی یا چادر۔

یہ زینت نماز میں بھی مطلوب ہے اور نماز کے علاوہ دیگر حالتوں میں بھی۔ اس سے مختلف زینت نہ نماز میں پسندیدہ ہے اور نہ نماز کے علاوہ دیگر حالتوں میں۔ ایک حدیث سے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے، جس میں فرمایا گیا ہے۔

«إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيَلْبَسْ ثَوْبَيْهِ فَإِنَّ اللهَ أَحَقُّ مَنْ تُزُيِّنَ لَهُ»

''جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھے، تو اس کو چاہیے کہ اپنے دو کپڑے پہن لے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس کے لیے زینت اختیار

---

[1] الأعراف 31:7

کی جائے۔‘‘[1]

اور یہ زینت وہی ہے جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے زینت قرار دیا ہے، نہ کہ لوگوں کے خود ساختہ معیار کی زینت۔ اور جو زینت نماز کی حالت میں مطلوب ومحبوب ہے، نماز کے علاوہ دیگر حالتوں میں بھی وہی زینت مطلوب ومحبوب ہوگی۔

شیخ البانی رحمہ اللہ عصر حاضر کی ایک عظیم عبقری شخصیت گزری ہے جو محدثین و محققین کے سلسلۃ الذھب کی ایک کڑی تھے، وہ بیک وقت ایک عظیم محدث بھی تھے اور ایک بلند پایہ محقق بھی، ایک داعی ومبلغ بھی تھے اور ایک مصلح ومجدد بھی۔ اس لیے دینی وشرعی مسائل میں، ان کے شذوذ وتفردات سے قطع نظر ان کی رائے بڑی وقیع اور نہایت اہمیت کی حامل ہوتی ہے، ننگے سر نماز پڑھنے کے مسئلے میں بھی انھوں نے اپنی جس رائے کا اظہار کیا ہے وہ بڑی اہم ہے، وہ فرماتے ہیں:

’’میری رائے میں ننگے سر نماز پڑھنے والے کی نماز مکروہ ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بات مُسلّم ہے کہ ایک مسلمان کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ نماز ایسی حالت میں پڑھے جو مکمل اسلامی ہیئت کی آئینہ دار ہو، جیسا کہ حدیث فَإِنَّ اللّٰهَ أَحَقُّ مَنْ تُزُيِّنَ لَهُ کا تقاضا ہے (جو پہلے گزری ہے) اور عُرفِ سلف میں ننگے سر رہنے کو اور ننگے سر ہی بازاروں میں پھرنے کو اور اسی طرح عبادت گاہوں میں (نماز وغیرہ کے لیے) آجانے کو عادت بنالینا، اچھی ہیئت تصور نہیں کیا جاتا تھا، بلکہ یہ اجنبی (غیر اسلامی) عادت ہے جو اکثر بلادِ اسلامیہ میں اس وقت آئی ہے جب کافر ان پر مسلط ہوگئے اور اپنی فاسد عادتیں انھوں نے وہاں پھیلا دیں اور مسلمانوں نے ان کی نقالی میں ان کو اپنالیا، اور یوں انھوں نے اپنے اسلامی تشخص کو ضائع کردیا، اس لیے اس

---

[1] الصحيحة، حديث: 1369

عادتِ بد (ننگے سر رہنے) کا کوئی جواز نہیں، کیونکہ یہ سلف کے اسلامی عُرف کے خلاف ہے، اسی طرح اس کو ننگے سر نماز پڑھنے کے لیے حجت بنانا بھی درست نہیں۔''[1]

اس کے بعد شیخ البانی نے ان لوگوں کا رد کیا ہے جو مناسک حج میں ننگے سر رہنے سے ننگے سر نماز پڑھنے پر استدلال کرتے ہیں کہ یہ قیاس، قیاس فاسد ہے۔ اس لیے کہ حج میں ننگے سر رہنا تو حج کے شعار میں سے ہے اور وہ واجب ہے اول تو اس پر کسی دوسری عبادت کو قیاس ہی نہیں کیا جا سکتا، اگر اس پر قیاس کیا جا سکتا ہے تو پھر اس قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ننگے سر نماز پڑھنا واجب ہو، نہ کہ صرف جائز۔

اس طرح بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ سر ڈھانپنے کی فضیلت میں تو کوئی نص نہیں، پھر کیوں اسے مستحب قرار دیا جا سکتا ہے؟

شیخ البانی رحمہ اللہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

یہ ٹھیک ہے کہ سر ڈھانپنے کی بابت کوئی خاص حکم وارد نہیں لیکن اس سے عام دلیل کی نفی نہیں ہوسکتی۔ سر ڈھانپنے کی عام دلیل یہ ہے کہ نماز کے لیے وہ زینت اور اسلامی ہیئت اختیار کی جائے جو عہدِ رسالت اور عصر صحابہ میں اسلامی سمجھی جاتی تھی۔ (اور وہ سر کو ڈھانپ کر رکھنا تھا نہ کہ ننگے سر رہنا) اور عدم معارضہ کی صورت میں دلیل عام بھی بالاتفاق حجت ہوتی ہے۔

بہر حال ننگے سر رہنا اور ننگے سر نماز پڑھنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام اور عام اسلاف کے معمول اور طریقے کے خلاف ہے۔ راقم نے کئی سال قبل اپنی کتاب ''مسنون نماز'' میں اس مسئلے پر جو لکھا تھا، وہ حسب ذیل ہے:

''مرد کا سر نماز میں ننگا رہے یا ڈھکا ہوا؟ اس کی بابت کوئی صراحت نہیں ہے۔ اسی لیے ننگے سر نماز بالاتفاق جائز ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ لیکن ننگے سر رہنا اور ننگے سر

---

[1] تمام المنة فی التعلیق علی فقه السنة، ص: 164

نماز پڑھنا رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام کے معمولات کے خلاف ہے۔ اس لیے ہر وقت ہی سر ڈھانپے رکھنا شیوۂ مسلمانی ہے، اس لیے محض نماز کے وقت سر ڈھانپ لینا اور باقی اوقات میں ننگے سر ہی رہنا پسندیدہ طریقہ ہے نہ ننگے سر نماز پڑھنے کو معمول بنالینا ہی مستحسن امر ہے۔

ڈاڑھی رکھنے کا وجوب اور اس کی فرضیّت

انسان کا چہرہ، ایک طرف اس کے حسن و جمال کا مظہر ہے تو دوسری طرف مرد اور عورت کے درمیان امتیاز کا آئینہ دارbھی۔ اللہ تعالیٰ نے تخلیقِ انسانی کی بابت فرمایا ہے:

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا ٱلْإِنسَـٰنَ فِىٓ أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ④﴾

''ہم نے انسان کو بہترین ساخت (اچھی شکل وصورت) میں پیدا کیا ہے۔''[1]

اللہ کا یہ فرمان مطلق ہے یعنی ''انسان'' کے لفظ میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ مرد ہو یا عورت دونوں کو اللہ تعالیٰ نے اس کی صنفی خصوصیات کی بنا پر جو جسمانی ساخت عطا کی ہے، وہ اگرچہ دونوں کے مقاصد تخلیق کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ لیکن اپنی اپنی جگہ دونوں ہی کی ساخت ''احسن تقویم'' ہے۔ اس ساخت (جسم انسانی کی بناوٹ اور شکل وصورت) میں تبدیلی کرنا، اللہ کی تخلیق میں تبدیلی کرنا اور تخلیق الٰہی کو ناپسندیدہ سمجھنا ہے جو ظاہر بات ہے کہ عنداللہ پسندیدہ بات نہیں ہوسکتی۔

اس انسانی ساخت میں کچھ چیزیں تو ایسی ہیں کہ جن میں انسان تبدیلی کرنے پر قادر نہیں ہے، جیسے انسان کو بارآور کرنے والا بنایا گیا ہے، تو اس کے جسم میں اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسی ہی چیزیں (آلۂ تناسل وغیرہ) بنائی ہیں جو عورت کے اندر نہیں ہیں اور عورت کو اس کے ثمرات سمیٹنے اور سنبھالنے کے لیے بنایا گیا ہے، اسی طرح عورت کے اندر بچے کی پرورش کے لیے رحم اور بچے

---

[1] التین 4:95

کی پیدائش کے بعد اس کی ابتدائی خوراک (شیر مادر) کے لیے مخصوص جگہ بنادی جن سے مرد محروم ہیں۔ دنیا کی کوئی طاقت مرد وعورت کے درمیان اس فرق و امتیاز کو مٹانے کی قدرت نہیں رکھتی۔

کچھ چیزیں ایسی ہیں کہ اللہ نے تو ان میں بھی فرق و امتیاز کیا ہے۔ لیکن انسان اپنے خود ساختہ معیارِ حسن کی وجہ سے ان میں تبدیلی کر لیتا ہے۔ یہ گویا اللہ کے معیارِ تخلیق یا معیارِ حُسن کے مقابلے میں اپنے خود ساختہ معیارِ حُسن کو ترجیح دینا ہے جو کسی طرح بھی پسندیدہ امر نہیں ہوسکتا۔ انھی چیزوں میں مردوں کے چہروں پر اگنے والی ڈاڑھی ہے۔ اللہ نے عورت کا چہرہ اس طرح بنایا ہے، کہ اس پر ڈاڑھی کے بال نہیں اگتے۔ یہ ایک قدرتی شکل وصورت ہے، اس میں جو حکمت ہے وہ اگرچہ کچھ سمجھ میں آتی ہے لیکن اس کی اصل حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اس کے برعکس مرد کے چہرے پر اس کی بلوغت کے ساتھ ہی ڈاڑھی کے بال اگنے شروع ہوجاتے ہیں۔ یہ مرد کی قدرتی شکل وصورت ہے جو مردانہ وقار اور مردانہ وجاہت کی آئینہ دار ہے۔

اب جو شخص محض اس وجہ سے کہ وہ ڈاڑھی کے بالوں کو مونڈ کر اپنے چہرے کو بالوں سے ''پاک صاف'' کرسکتا ہے۔ ڈاڑھی مونڈتا ہے اور مونڈتا رہتا ہے۔ تو گویا وہ دو بڑے جرموں کا ارتکاب کرتا ہے۔

ایک، اللہ کی تخلیق میں تبدیلی۔

دوسرا، عورتوں کی سی شکل وشباہت بنانے کی سعی۔

اور یہ دونوں ہی باتیں نہایت مذموم ہیں۔

① اللہ کی تخلیق میں تبدیلی کی مذموم کوشش صریحاً شیطان کی پیروی ہے۔ شیطان نے کہا تھا:

﴿وَلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ ءَاذَانَ ٱلْأَنْعَٰمِ
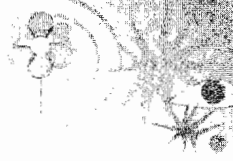
وَلَأٓمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ ٱللَّهِ ۚ﴾

''میں ان کو ضرور گمراہ کروں گا، انھیں آرزوئیں دلاؤں گا اور انھیں حکم دوں گا، پس وہ چوپایوں کے کان کاٹیں گے (غیر اللہ کے نام منسوب کرنے کے لیے) اور میں انھیں حکم دوں گا، پس وہ اللہ کی تخلیق میں تبدیلیاں کریں گے۔''[1]

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی پیدائش (تخلیق) میں تبدیلی کرنا شیطان کے پیچھے لگنا ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَن يَتَّخِذِ ٱلشَّيْطَٰنَ وَلِيًّا مِّن دُونِ ٱللَّهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِينًا ﴿١١٩﴾ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ ۖ وَمَا يَعِدُهُمُ ٱلشَّيْطَٰنُ إِلَّا غُرُورًا ﴿١٢٠﴾ أُو۟لَٰٓئِكَ مَأْوَىٰهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُونَ عَنْهَا مَحِيصًا ﴿١٢١﴾﴾

''اور جو اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا دوست بنائے گا اس نے واضح نقصان کا سودا کیا، شیطان ان کو تسلیاں دیتا اور آرزوؤں میں مبتلا کرتا ہے اور ان کے لیے شیطان کی تسلیاں سراسر دھوکہ ہی ہیں، ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے جس سے وہ راہِ فرار نہیں پائیں گے۔''[2]

② عورتوں کی سی شکل و شباہت اختیار کرنا اور مردانہ طور طریقے اپنانا، اللہ کی لعنت کا موجب ہے، جیسا کہ پہلے اس مضمون کی احادیث گزر چکی ہیں۔

③ ڈاڑھی مُنڈانا آج کل انگریزوں اور بے دینوں کا شیوہ اور شعار ہے اور مسلمانوں اور دین داروں کو چھوڑ کر غیر مسلموں اور بے دینوں کی مشابہت اختیار کرنے پر بھی سخت وعید ہے کہ ان کا شمار بھی انھیں میں سے ہوگا۔

---

[1] النسآء 4:119

[2] النسآء 4:119-121

«مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ»

''جو جن لوگوں کی مشابہت کرے گا، وہ انھی میں سے ہوگا۔''[1]

مذکورہ تین وجوہ سے ڈاڑھی منڈانا کئی کبیرہ گناہوں کا مجموعہ بن جاتا ہے۔

ڈاڑھی رکھنے کی بابت نبی ﷺ کے فرامین

اسی لیے نبی ﷺ نے ڈاڑھی رکھنے کا حکم صیغۂ امر کے ساتھ فرمایا جو ڈاڑھی رکھنے کی فرضیّت و وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَنْهِكُوا الشَّوَارِبَ، وَأَعْفُوا اللِّحٰى»

''مُوچھیں کترواؤ اور ڈاڑھی بڑھاؤ۔''[2]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ایک دوسری روایت میں ہے:

«خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ، أَحْفُوا الشَّوَارِبَ، وَأَوْفُوا اللِّحٰى»

''مشرکوں کی مخالفت کرو، موچھیں کترواؤ اور ڈاڑھی بڑھاؤ۔''[3]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«جُزُّوا الشَّوَارِبَ، وَأَرْخُوا اللِّحٰى، خَالِفُوا الْمَجُوسَ»

---

[1] سنن أبي داود، اللباس، باب في لبس الشهرة، حديث: 4031

[2] صحيح البخاري، اللباس، باب إعفاء اللحى، حديث: 5893 و صحيح مسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة، حديث: 259۔ مسلم میں ''اَحفُوا الشَّوَارِبَ'' کے الفاظ ہیں۔ ''اَنہِکُوا'' اور ''اَحفُوا'' دونوں کے معنی ایک ہی ہیں۔

[3] صحيح مسلم، الطهارة، باب خِصَال الفطرة، حديث: 259

''موچھیں کاٹو اور ڈاڑھی چھوڑ دو، مجوس کی مخالفت کرو۔''[1]

موچھوں کے لیے ''اَنْھِکُوا''، ''اَحْفُوا'' اور ''جُزُّوا'' تین الفاظ استعمال ہوئے ہیں، تینوں کے معنی اچھی طرح کاٹنے یا کترنے کے ہیں۔ اور ڈاڑھی کے لیے ''اَعْفُوا''، ''اَوْفُوا''، ''وَفِّرُوا'' اور ''اَرْخُوا'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، چاروں کے معنی ہیں۔ ڈاڑھی کو بڑھانا یا اپنی حالت پر چھوڑ دینا۔ جس سے یہی واضح ہوتا ہے کہ ڈاڑھی کو اپنی طبعی حالت پر چھوڑ دینا ہی اصل مطلوب اور نبی ﷺ کا حکم ہے۔

ڈاڑھی کی مقدار کا مسئلہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا فعل

بعض لوگ ایک مشت سے زیادہ ڈاڑھی کٹوانے کے جواز کے لیے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے فعل سے استدلال کرتے ہیں کہ وہ حج یا عمرہ کرتے تو اپنی ڈاڑھی کو مُٹھی سے پکڑتے اور زائد حصے کو کاٹ دیتے۔[2]

اول تو یہ حج یا عمرے کا واقعہ ہے، ہوسکتا ہے کہ وہ اسے سَر کے حلق یا تقصیر کی طرح حج اور عمرے کے شعار میں سے سمجھتے ہوں، تاہم ان کے اس فعل اور فہم کی کوئی شرعی بنیاد سمجھ میں نہیں آتی۔ اس لیے ان کے اس فعل کو مدارِ استدلال نہیں بنایا جاسکتا۔ علاوہ ازیں محدثین کا اصول ہے کہ کسی روایت کے راوی کا عمل اگر اس کی بیان کردہ صحیح روایت کے خلاف ہوگا، تو ایسی صورت میں قابل حجت حدیثِ رسول ﷺ ہوگی، نہ کہ راوی کا عمل۔ مسئلہ زیر بحث میں ڈاڑھی بڑھانے کی احادیث کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی ہیں۔ اس لیے حجت ان کا عمل نہیں، بلکہ ان کی بیان کردہ حدیث ہوگی۔ اور اس

---

1. صحيح مسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة، حديث: 260
2. صحيح البخاري، باب تقليم الأظفار، حديث: 5892

میں مطلقاً ڈاڑھی بڑھانے کا ذکر ہے، اس میں کسی تحدید (حد بندی) کا ذکر نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے فعل کی بعض توجیہات

علاوہ ازیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے فعل کی بعض توجیہات بھی کی گئی ہیں۔ مثلاً امام کرمانی کہتے ہیں:

حج کے موقعے پر حلق و تقصیر کا جو حکم ہے۔

﴿ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ ﴾ [1]

شاید حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے اس فعل سے ان دونوں حکموں کو جمع کرنے کا ارادہ کیا ہو۔ سر تو انھوں نے منڈا دیا اور ڈاڑھی چھوٹی کر لی۔ یوں دونوں پر عمل کر لیا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ((وَفِّرُوا اللِّحٰی)) ''ڈاڑھی کو بڑھاؤ'' کی بھی تخصیص کر لی کہ اس حکم کا تعلق حج کے علاوہ دیگر ایام سے ہے، تاہم حج کے ایام اس سے مستثنیٰ ہیں۔'' [2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی حسب ذیل توجیہ کی ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس عمل کا تعلق مناسک حج سے نہیں، بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ڈاڑھی بڑھانے کے حکم کو اس صورت پر محمول کیا ہے کہ جب تک ڈاڑھی طول و عرض میں اس انداز سے نہ بڑھے جس سے بھدّا پن پیدا ہو (یعنی عام معمول کے مطابق ڈاڑھی کے بال ہوں، اس وقت حکم بڑھانے اور اسے نہ کاٹنے ہی کا ہے، لیکن اگر وہ معمول سے ہٹ کر زیادہ بڑھ جائے اور استہزاء کا موضوع بن جائے، تو پھر اس کو چھوٹا کرنا جائز ہے۔ [3]

---

[1] الفتح 27:48

[2] فتح الباری، ج: 10 ص 430۔ دارالسلام، الریاض

[3] حوالہ مذکور

حافظ ابن حجر کی یہ توجیہ نہایت معقول ہے، کیونکہ طولِ فاحش کی صورت میں علماء نے تقصیر کی اجازت دی ہے تاکہ اسلام کا یہ شعار استہزاء کا موضوع نہ بنے۔ اس اعتبار سے یہ ایک خاص صورت ہے جس سے لاکھوں میں سے کوئی ایک شخص ہی دوچار ہوتا ہے، اسے تقصیر کی اجازت دی جاسکتی ہے، لیکن عام حکم اِعفاء وتوفیر (ڈاڑھی اپنی پوری مقدار میں رکھنے) ہی کا ہوگا جیسا کہ الفاظِ حدیث کا تقاضا ہے۔

اس توجیہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے عمل کا ایک محمل سامنے آجاتا ہے اوران حضرات کے استدلال میں کوئی قوت باقی نہیں رہتی جنھوں نے ڈاڑھی کی مسنون صورت کونظرانداز کرکے ایک ''مقطوع صورت'' کو عام کردیا ہے۔ ھداھم اللہ تعالٰی

جامع ترمذی کی روایت سے استدلال؟

اسی طرح جامع ترمذی کی روایت سے استدلال کیا جاتا ہے جس کے الفاظ ہیں:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَأْخُذُ مِنْ لِّحْيَتِهِ مِنْ عَرْضِهَا وَطُولِهَا»

''نبی ﷺ اپنی ڈاڑھی کوطول وعرض سے تراش لیتے تھے۔''[1]

یہ روایت بالکل ضعیف اور ناقابل حجت ہے اوراس کی صراحت خود امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے ساتھ ہی کردی ہے۔

علاوہ ازیں یہ روایت نبی ﷺ کی قولی وفعلی حدیثوں کے بھی خلاف ہے۔ قولی احادیث پہلے بیان ہوچکی ہیں جن میں ڈاڑھی کی بابت حکم دیا گیا ہے کہ اس کواس کی طبعی حالت پر چھوڑ دو، اس کو بڑھاؤ اور اس کو معاف کردو۔ اور آپ کا فعل درج ذیل حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔

---

[1] جامع الترمذي، الأدب، باب ماجاء في الأخذ من اللحية، حديث :2762

«وَكَانَ كَثِيرَ شَعْرِ اللِّحْيَةِ»

''رسول اللہ ﷺ کی ڈاڑھی گھنی تھی۔''[1]

ڈاڑھی اسی وقت گھنی ہوتی ہے جب اسے اپنی حالت پر چھوڑ دیا جائے اوراس کی تراش خراش نہ کی جائے۔اس سے معلوم ہوا کہ ڈاڑھی کی تراش خراش، یاطُول وعرض سے کاٹنا یا خط بنوانا، یہ ساری باتیں مسنون طریقے کے خلاف ہیں۔

ڈاڑھی نہ رکھنے کے حیلے بہانے، شیطانی وسوسے اور دل بہلاوے

اس وقت ہمارے مسلمان معاشروں میں ڈاڑھی منڈوں کی کثرت ہے اور جن کے چہرے اس سُنّت سے مُزَیّن ہیں، وہ بہت کم ہیں۔ان ڈاڑھی منڈوں کی کئی قسمیں ہیں:

ایک تو وہ ہیں جو دینِ اسلام کی تعلیمات سے یکسر بے بہرہ اور دینی شعور سے یکسر عاری ہیں اورایسے لوگوں کی کثرت ہے، ان کا کوئی دین و مذہب نہیں، بس وہ ہر کام دیکھا دیکھی کرتے ہیں اوران کا شیوہ ہوتا ہے: چلوتم اُدھر کو، ہوا ہو جدھر کی۔ایسے لوگوں کی بے عملی یا بدعملی، چاہے وہ تعداد میں کتنے ہی زیادہ ہوں، قابل فہم ہے کہ وہ دین سے بے خبر اور دینی اقدار وروایات کی پابندی کی اہمیت سے غافل ہیں۔وہ تو جب تک دین سے آگاہ نہیں ہوں گے یا دینی ماحول انھیں میسر نہیں آئے گا، ان سے دین پرعمل کرنے کی امید وابستہ نہیں کی جاسکتی۔

دوسرے وہ لوگ ہیں جو دینی تعلیمات سے آگاہ اور دینی شعور سے بہرہ ور ہیں، ان کی کئی قسمیں ہیں۔

① ان میں ایک تو وہ ہیں جن میں زمانے کے عام فیشن اورچلن کے خلاف چلنے کی ہمت

[1] صحيح مسلم، الفضائل، باب إثبات خاتم النبوة، حديث: 2344

نہیں، اس لیے ڈاڑھی کی اہمیت کو سمجھنے کے باوجود ڈاڑھی نہیں رکھتے۔ ظاہر بات ہے ان کا جرم ان لوگوں کے مقابلے میں زیادہ ہے جو یکسر جاہل (دین سے بے خبر) ہیں۔

② کچھ لوگ وہ ہیں جو ایک شیطانی وسوسے کا شکار ہیں کہ ڈاڑھی بڑی قدر واہمیت کی حامل چیز ہے اور ہم عمل کے اعتبار سے بہت کمزور ہیں ہم اگر ڈاڑھی رکھ لیں گے تو ہماری کوتاہیوں اور کمزوریوں کی وجہ سے ڈاڑھی بدنام ہوگی اور اس کی قدر و قیمت لوگوں کی نظروں میں کم ہو جائے گی۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ڈاڑھی رکھ کر غلط کام کرنے سے ڈاڑھی کی قدر و قیمت کم ہوگی، بلاشبہ صحیح ہے۔ لیکن محض اس وجہ سے ڈاڑھی نہ رکھنا شیطانی وسوسہ ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھیے کہ مسلمان کہلا کر شیوۂ مسلمانی کے خلاف کام کرنے سے اسلام کی بدنامی اور تحقیر ہوتی ہے یا نہیں؟ یقیناً ہوتی ہے، تو کیا عملی کوتاہیوں کی وجہ سے اسلام ہی کو چھوڑ دینا چاہیے؟ پھر تو مسئلہ صرف ڈاڑھی ہی کا نہیں رہتا، اسلام سے وابستگی کا مسئلہ بھی قابل غور ہو جاتا ہے۔ اس لیے یہ ایک شیطانی وسوسہ ہے۔ اسلامی تعلیمات کے خلاف عمل کرنے سے یقیناً اسلام کی بدنامی اور بے توقیری ہوتی ہے، لیکن اگر ہم اسلام کے ساتھ وابستگی میں مخلص ہیں تو ہمارا طرزِ عمل یہ نہیں ہوگا کہ ہم اسلام ہی کو خیر باد کہہ دیں، بلکہ ہم اپنے عمل و کردار کی اصلاح کریں گے تا کہ ہماری بدعملی کی وجہ سے اسلام کا چہرۂ تاباں داغ دار نہ ہو۔ اگر واقعی یہ احساس ہے کہ ڈاڑھی رکھنے سے ہماری عملی کوتاہیاں ڈاڑھی کی بدنامی اور بے توقیری کا باعث بنیں گی، تو اس احساس وشعور کا تقاضا تو یہ ہے کہ ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے اپنے عمل و کردار کی کوتاہیوں کو دور کیا جائے تا کہ نہ اسلام بدنام ہو اور نہ ڈاڑھی۔ نہ یہ کہ اپنی عملی کوتاہیاں ڈاڑھی کے کھاتے میں ڈال کر ان کو ڈاڑھی نہ رکھنے کا بہانہ بنا لیا جائے۔ بنابریں یہ ایک خالصۃً شیطانی وسوسہ ہے جسے ڈاڑھی نہ

رکھنے کا جواز نہیں بنایا جاسکتا۔

③ کچھ لوگ وہ ہیں جو اس طرح ڈاڑھی کی توہین اور ناقدری کرتے ہیں کہ سارا اسلام ڈاڑھی ہی میں تو نہیں ہے۔ اور یوں اس توہین اور ناقدری کو ڈاڑھی نہ رکھنے کا بہانہ بنا لیتے ہیں، حالانکہ یہ کہنا کہ اسلام کے فلاں حکم ہی میں تو اسلام نہیں ہے، اس طرح تو پھر کسی بھی حکم میں اسلام نہیں رہے گا، مثلاً ''ڈاڑھی ہی میں تو اسلام نہیں''۔ ''پردے ہی میں تو اسلام نہیں ہے''۔ ''نماز ہی میں تو اسلام نہیں ہے''۔ ''زکاۃ ہی میں تو اسلام نہیں ہے''۔ اگر کسی میں بھی اسلام نہیں ہے، تو پھر اسلام کس میں رہے گا؟ اس لیے اسلام کے احکام سے اس طرح جان چھڑانا کوئی معقول طریقہ ہے، نہ کسی مسلمان کے شایانِ شان۔ شیوۂ مسلمانی تو یہ ہے کہ وہ دیکھے کہ اسلام کا کیا حکم ہے؟ ہر حکم پر سَرِ اطاعت وتسلیم خم کر دینا ہی اسلام اور مسلمانی ہے اور اس سے یک سَرِ مُو انحراف اللہ کے حکم سے سرتابی اور شیوۂ مسلمانی کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُۥٓ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُۥ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَٰلًا مُّبِينًا ﴿٣٦﴾﴾

''جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ فرما دیں تو اس کے بعد کسی مومن مرد اور مومنہ عورت کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنے معاملے کے بارے میں سوچے (کہ میں اسے کروں یا نہ کروں، کیونکہ ایسا سوچنا کفر و معصیت ہے) اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے، وہ یقیناً کھلی گمراہی میں مبتلا ہے۔''[1]

کچھ نوجوان ایسے ہیں جو ڈاڑھی رکھنا چاہتے ہیں، لیکن ان کی مائیں یا دیگر اہل خانہ نہیں رکھنے دیتے اور کہتے ہیں کہ ابھی تو تُو جوان ہے، تیری شادی بھی کرنی ہے، اور یوں اپنے نوجوان بیٹے یا بھائی کو ڈاڑھی نہیں رکھنے دیتے۔ گویا ان کے نزدیک ڈاڑھی رکھنا عمر رسیدہ

① الاحزاب 33:36

لوگوں کا کام ہے، نوجوانی کی عمر میں یہ کام نہیں کیا جاسکتا۔ یا ڈاڑھی رکھ لینے کی صورت میں شادی مشکل ہو جائے گی، وغیرہ۔

اسی طرح بعض بیویاں اپنے خاوندوں کو ڈاڑھیاں نہیں رکھنے دیتیں، یا بعض بندے ازخود ہی اپنی بیویوں کو خوش رکھنے کے لیے ڈاڑھی رکھنے سے گریز کرتے ہیں۔

ایسے تمام حضرات کو سوچنا چاہیے کہ والدین کی اطاعت وفرماں برداری یقیناً بہت ضروری ہے لیکن دوسری طرف اللہ اور رسول نے ان کی اطاعت کی ایک حد بھی مقرر کردی ہے۔ اور وہ حد یہ ہے کہ والدین کی یا بیوی کی یا کسی اور کی بات صرف اس وقت تک مانی جائے گی جب تک وہ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف نہ ہو گی۔ خلاف ہونے کی صورت میں اس کو نہ ماننا ضروری ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے ایک انصاری کی امارت میں ایک لشکر بھیجا، اس امیرِ لشکر نے ایک مقام پر جاکر آگ کا الاؤ تیار کروایا اور فوجیوں کو حکم دیا کہ اس میں کود جاؤ۔ انھوں نے کہا: آگ سے بچنے کے لیے تو ہم نے اسلام قبول کیا ہے، ہم آگ میں کس طرح چھلانگ لگا دیں؟ یہ بات نبی ﷺ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا:

«لَوْ دَخَلُوهَا مَا خَرَجُوا مِنْهَا إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ»

''اگر وہ اس آگ میں داخل ہو جاتے تو قیامت تک اس سے نہ نکلتے۔ (یاد رکھو، امیر کی یا دوسروں کی) اطاعت معروف (بھلائی کے کاموں) میں ہے۔''[1]

اس سے معلوم ہوا کہ کسی کے کہنے سے شریعت کے کسی حکم پر عمل کرنے سے رک جانا، چاہے کہنے والے والدین ہی ہوں، سخت گناہ ہے اور اس پر شدید مؤاخذے کا امکان ہے۔ اس لیے کہ جس کام میں خالق کی معصیت لازم آتی ہو، وہاں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب سرية عبدالله بن حُذافة، حديث: 4340

ہے۔ اللہ کے رسول نے فرمایا:

«لَا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةِ اللهِ، إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ»

''اللہ کی معصیت میں اطاعت نہیں، اطاعت صرف معروف میں ہے۔''

ایک دوسری روایت میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ، فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ، إِلَّا أَنْ يُؤْمَرَ بِمَعْصِيَةٍ، فَإِنْ أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ، فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ»

''مسلمان مرد پر (امیر کی) سمع و طاعت ہے، چاہے وہ کام اسے پسند ہو یا ناپسند ہو۔ الا یہ کہ اسے نافرمانی (معصیت) کا حکم دیا جائے۔ اگر اسے نافرمانی کا حکم دیا جائے تو پھر کوئی سمع و طاعت نہیں۔''

بہرحال ڈاڑھی اسلام کا ایک اہم فریضہ ہے۔ علاوہ ازیں اسے نبی ﷺ نے ''فطرت'' میں سے شمار کیا ہے۔ فطرت کے ایک معنی وہ طریقہ ہیں جو تمام انبیاء کا متفقہ طریقہ رہا ہے جن کے اتباع کا ہمیں بھی حکم دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«عَشْرٌ مِّنَ الْفِطْرَةِ: قَصُّ الشَّارِبِ وَإِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ . . .»

''دس چیزیں فطرت سے ہیں، ان میں ایک موچھوں کا کتروانا اور دوسری ڈاڑھی کا بڑھانا ہے.................''[1]

پوری حدیث محولہ جگہ پر دیکھی جا سکتی ہے جس میں دیگر امور فطرت کا تذکرہ ہے۔

ڈاڑھی کے رنگنے کا مسئلہ

ڈاڑھی کے بال جب سفید ہو جائیں تو ان کو سفید ہی رہنے دیا جائے یا ان کو رنگنا ضروری

[1] صحيح مسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة، حديث :261

ہے؟ اس کی کئی صورتیں ہیں:

① ان کو سیاہ رنگ سے رنگ لیا جائے۔

② ان کو حِنا اور کتم سے رنگ لیا جائے جس کا رنگ سیاہی مائل سُرخ ہوتا ہے۔

③ ان کو صرف حِنا (مہندی) سے رنگا جائے، مہندی کا رنگ معروف ہے۔

④ ان کو سفید ہی رہنے دیا جائے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ڈاڑھی (اور سر) کے بالوں کو رنگنا ضروری ہے یا نہیں؟ تو حقیقت یہ ہے کہ احادیث میں ان کو رنگنے ہی کا حکم ہے، جیسے نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الْيَهُودَ وَالنَّصَارٰى لَا يَصْبُغُونَ فَخَالِفُوهُمْ»

''یہود اور نصاریٰ اپنے بال نہیں رنگتے۔ پس تم ان کی مخالفت کرو۔''[1]

اس میں مخالفت کا حکم مطلق ہے یعنی بالوں کو سفید نہ رہنے دو، ان کو رنگ لو چاہے کسی بھی رنگ سے ہو۔ سیاہ رنگ کے جواز کے قائلین نے اس مطلق حکم سے استدلال کیا ہے لیکن اس اطلاق سے سیاہ رنگ کا جواز کشید کرنا اس لیے صحیح نہیں ہے کہ دوسری احادیث میں نبی ﷺ نے خالص سیاہ رنگ سے منع فرما دیا ہے، جیسے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ انھیں فتح مکہ کے دن نبی ﷺ کی خدمت میں لایا گیا تو ان کے سر اور ڈاڑھی کے بال ثَغَامَہ بُوٹی کی طرح سفید تھے، نبی ﷺ نے انھیں دیکھ کر فرمایا:

«غَيِّرُوا هٰذَا بِشَيْءٍ، وَّاجْتَنِبُوا السَّوَادَ»

''اس سفید رنگ کو کسی بھی رنگ سے بدل دو، لیکن سیاہ رنگ سے بچنا۔''[2]

اس سے معلوم ہوا کہ ڈاڑھی اور سر کے بالوں کو رنگنے کا حکم تو ہے، لیکن کالے رنگ کے

---

[1] صحیح البخاری اللباس، باب الخضاب، حدیث: 5899

[2] صحیح مسلم، اللباس، باب استحباب خضاب الشیب......، حدیث: 2102

علاوہ دوسرے کسی رنگ سے اسے رنگا جائے۔ رنگنے کا یہ حکم فرض اور وجوب کے درجے میں ہے یا استحباب کے درجے میں؟ اس میں علماء کی دونوں ہی رائے ہیں۔ بعض وجوب کے قائل ہیں کیونکہ امر وجوب ہی کے لیے ہوتا ہے الا یہ کہ کوئی قرینۂ صادقہ ہو۔ اور بعض علماء نے اسے استحباب پر محمول فرمایا ہے کیونکہ صحابۂ کرام میں دونوں ہی قسم کے حضرات تھے، بعض خضاب لگاتے تھے اور بعض خضاب نہیں لگاتے تھے اور وہ ڈاڑھیوں کو سفید ہی رکھتے تھے (جیسا کہ امام نووی نے اس مقام پر اپنی شرح میں اس کی وضاحت فرمائی ہے) ان علماء کے نزدیک بہت سے صحابۂ کرام کے ترک خضاب کا یہ عمل اس بات کا قرینہ ہے کہ یہاں خضاب (بالوں کے رنگنے) کا حکم وجوب کے لیے نہیں ہے، ورنہ کوئی بھی صحابی اپنے بالوں کو سفید ہی نہ رہنے دیتا بلکہ ان کو ضرور رنگتا۔

مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری حفظہ اللہ صحیح مسلم کی شرح میں اس مقام پر لکھتے ہیں:

«فإن هذا الأمر يكون للاستحباب لا للوجوب، وقد ترك الخضاب على ابن أبي طالب وأبي بن كعب وسلمة بن الأكوع وأنس وجماعة رضي الله عنهم»

”یہ حکم (خضاب) استحباب کے لیے ہونا چاہیے نہ کہ وجوب کے لیے۔ اس لیے کہ حضرت علی، ابی بن کعب، سلمہ بن اکوع اور حضرت انس اور صحابہ کی ایک جماعت نے خضاب کے حکم پر عمل نہیں کیا۔ رضی اللہ عنہم“

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی ”فتح الباری“ میں مسئلہ خضاب میں علماء کی دونوں ہی آراء (مسلکوں) کا اور صحابۂ کرام کے بھی دونوں عملوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔[1]

اس مختصر تفصیل سے مذکورہ چاروں صورتوں کی تنقیح ہو جاتی ہے۔ اور وہ بالترتیب

---

① ملاحظہ ہو: فتح الباری: 434/10 باب الخضاب، حدیث: 5899

حسب ذیل ہے:

① سیاہ رنگ ممنوع ہے۔

② حنا اور کتم ملا کر رنگنا جائز ہے۔ کَتَم، یمن کی نباتات ہے جب اس کو مہندی کے ساتھ ملا کر لگایا جائے تو بالوں کا رنگ سیاہ، مائل بہ سُرخی ہوتا ہے۔ خالص سیاہ نہیں ہوتا۔ آج کل ایسے تیار شدہ خضاب مل جاتے ہیں جو خالص سیاہ نہیں ہوتے، بلکہ سرخی مائل سیاہ ہوتے ہیں ان کا استعمال جائز ہے، کیونکہ یہ حنا اور کتم کے مجموعے کی خصوصیات کے حامل ہیں۔

③ صرف مہندی سے بالوں کو رنگنا بھی جائز ہے۔

④ بالوں کو سفید رکھنے کے مقابلے میں ان کو مہندی سے رنگنا یا حنا اور کَتَم سے رنگنا زیادہ بہتر ہے، تاہم ترکِ خضاب (یعنی بالوں کو سفید ہی رہنے دینا) بھی جائز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب.

سر کے بال

سر کے بال کیسے ہوں؟ نبی ﷺ کا اسوۂ حسنہ اس سلسلے میں یہ ہے کہ آپ کے بال پٹے تھے اور حدیث میں آپ کے بالوں کی کیفیت بیان کرنے کے لیے تین الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ ''وَفرَہ، جُمَّہ، لِمَّہ'' ان کی تعریفات میں کچھ اختلاف ہے۔ وَفرَہ، کانوں کی لو تک پہنچنے والے بالوں کو اور جُمّہ اس سے قدرے لمبے بالوں کو اور لِمّہَ اس سے لمبے بالوں کو، جو کندھوں تک پہنچتے ہوں، کہا جاتا ہے۔ بعض اس کے برعکس وَفرہ کے بعد والے بالوں کو لِمّہ اور پھر جُمّہ کہتے ہیں۔ بہرحال یہ لغوی اختلاف ہے۔[1]

---

[1] فتح الباری، باب الجعد، حدیث: 5899، ج: 10، ص: 439

بعض راویوں نے بیان کیا کہ آپ کے بال آپ کے کندھے اور دونوں کانوں کے درمیان تھے۔[1]

«كَانَ شَعْرُ رَسُولِ اللهِ ﷺ . . . بَيْنَ أُذُنَيْهِ وَعَاتِقِهِ»

''رسول اللہ ﷺ کے بال (درمیانے تھے، نہ بالکل سیدھے لٹکے ہوئے اور نہ گھونگھریالے، اور وہ) کانوں اور کندھوں کے درمیان تک تھے۔''

بعض نے کہا کہ آپ کے بال دونوں کندھوں تک پہنچے ہوئے تھے۔[2]

«إِنَّ جُمَّتَهُ لَتَضْرِبُ قَرِيْبًا مِّنْ مَّنْكِبَيْهِ»

بعض کا خیال ہے کہ آپ کے بال کندھوں تک پہنچتے تھے[3]

«كَانَ يَضْرِبُ شَعْرُهُ مَنْكِبَيْهِ»

بعض نے کہا کہ آپ کے بال کانوں کی لو تک پہنچتے تھے:[4]

«شَعْرُهُ يَبْلُغُ شَحْمَةَ أُذُنَيْهِ»

بعض نے اس طرح تعبیر کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے بال وَفْرَہ سے زیادہ اور جُمّہ سے کم تھے:[5]

«كَانَ شَعْرُ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَوْقَ الْوَفْرَةِ وَدُونَ الْجُمَّةِ»

مذکورہ کیفیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کے سر مبارک کے بال کانوں کی لَو سے لے کر کندھوں تک ہوتے تھے، ان میں تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ آپ کے بال عام

---

① صحيح البخاري، اللباس، باب الجعد، حديث :5905

② صحيح البخاري، اللباس، باب الجعد، حديث :5901

③ صحيح البخاري، اللباس، باب الجعد، حديث :5903، وصحيح مسلم، حديث :2338

④ صحيح البخاري، اللباس، باب الجعد، حديث :5901، وصحيح مسلم، حديث :2337

⑤ سنن أبي داود، اللباس، باب ماجاء في الشعر، حديث :4187

طور پر کانوں کی لو تک ہوتے تھے، پھر جب کچھ بڑھ جاتے تو وہ جُمّہ ہو جاتے اور کچھ اور بڑھنے پر وہ لِمّہ (کندھوں تک پہنچنے والے) ہو جاتے۔ یوں گویا سر کے بال کانوں کی لو سے لے کر کندھوں تک ہو سکتے ہیں، اس سے زیادہ لمبے بال غیر مسنون بھی ہوں گے اور عورتوں کے ساتھ مشابہت کا امکان بھی اس میں بڑھ جائے گا۔

اس طرح کے پٹے بال رکھنا یقیناً مسنون ہے، تاہم اس میں تین باتوں کا مزید اہتمام ضروری ہے۔

① نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ كَانَ لَهُ شَعْرٌ فَلْيُكْرِمْهُ»

''جس کے بال ہوں، اس کو چاہیے کہ وہ ان کی تعظیم کرے (ان کو سنوار کر رکھے)۔''[1]

اکرامِ شَعْر (بالوں کی تعظیم یعنی ان کو سنوارنے) کا مطلب یہ ہے کہ ان کو منتشر اور پراگندہ نہ چھوڑے۔ جیسے لا اُبالی قسم کے نوجوانوں کا وطیرہ ہے، بلکہ تیل کنگھی کا اور ان کو منظّم اور سنوارے رکھنے کا اہتمام کرے، ان کی صفائی وغیرہ کا خیال رکھے۔

② سنوارنے اور تیل کنگھی کے اہتمام کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ہر وقت وہ اسی کام میں لگا رہے۔ بلکہ نبی ﷺ نے روزانہ کنگھی کرنے سے منع فرمایا ہے، اس کا بھی خیال رکھے۔

جیسے حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهٰى عَنِ التَّرَجُّلِ إِلَّا غِبًّا»

''رسول اللہ ﷺ نے روزانہ کنگھی کرنے سے منع فرمایا ہے، ہاں ایک دن چھوڑ کر کنگھی کرنا صحیح ہے۔''[2]

---

① سنن أبي داود، اللباس، باب في إصلاح الشعر، حديث: 4163

② سنن أبي داود، اللباس، باب النهي عن كثير من الارفاه، حديث: 4159

ایک طرف بالوں کے سنوارنے کا حکم ہے اور دوسری طرف روزانہ کنگھی کرنے کی ممانعت ہے، ان دونوں باتوں میں بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ان میں تضاد نہیں ہے۔ نبی ﷺ کا مقصد لا اُبالی پن اور تجمل و آرائش کے درمیان توازن پیدا کرنا ہے۔ جو لوگ پٹے بال تو رکھ لیتے ہیں لیکن تنظیم و صفائی کا کوئی اہتمام نہیں کرتے بلکہ وہ اپنی ہیئتِ کذائی سے عجیب وغریب کارٹون معلوم ہوتے ہیں، الا ماشاء اللہ۔ اسی طرح کچھ لوگ ہیں کہ وہ ہر وقت بالوں کے سنوارنے اور تیل کنگھی کرنے ہی میں لگے رہتے ہیں۔ یہ دونوں ہی باتیں ناپسندیدہ ہیں۔ اعتدال اور توازن کی راہ یہ ہے کہ بالوں کو پراگندہ بھی نہ چھوڑا جائے اور آرائش وزیبائش ہی کو مقصود بھی نہ بنایا جائے۔

③ بالوں کی مانگ سیدھی نکالی جائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

«كُنْتُ إِذَا أَرَدتُّ أَنْ أَفْرُقَ رَأْسَ رَسُولِ اللهِ ﷺ صَدَعْتُ الْفَرْقَ مِنْ يَّافُوخِهِ»

''جب میں رسول اللہ ﷺ کے سر پر مانگ نکالنے کا ارادہ کرتی تھی، تو آپ کے سر کے درمیانی حصے سے مانگ نکالتی تھی۔''[1]

یعنی بال رکھ کر الٹے سیدھے فیشن اختیار نہ کیے جائیں، بلکہ بالوں کو دو حصوں میں تقسیم کر کے صرف سیدھی مانگ نکالی جائے۔

یہ مذکورہ تین آداب ہیں جو ان لوگوں کے لیے ضروری ہیں جو پٹے بال رکھتے ہیں یا رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ تینوں باتیں رسول اللہ ﷺ کے فرمان یا آپ کے اسوۂ حسنہ سے معلوم ہوتی ہیں، جیسا کہ مذکورہ تفصیل سے واضح ہے۔

آج کل کے بہت سے نوجوان ایسے دیکھنے میں آتے ہیں کہ ان کو یہ پٹے بال رکھنے کا تو

---

[1] سنن أبي داود، اللباس، باب ماجاء في الفرق، حديث: 4189

شوق ہے لیکن ان میں سے کچھ تو ایسے ہیں جو بالوں کو پراگندہ رکھ کر ''حسن پریشاں'' کا منظر پیش کرتے ہیں، کچھ ایسے ہیں جو بالوں کی آرائش وزیبائش ہی میں لگے رہتے ہیں اور یوں زلف وکاکل کے پیچوں ہی میں گُم رہتے ہیں، اور کچھ وہ ہیں جو سیدھی مانگ کا اہتمام نہیں کرتے۔ گویا بال رکھنے کا شوق تو ہے لیکن ان کے آداب کا بالکل خیال نہیں رکھتے۔ ایسے لوگ بالعموم یا تو ننگے سر رہتے ہیں، یا ایسی چھوٹی سی ٹوپی سر پر رکھ لیتے ہیں جو بالوں کے اعتبار سے یکسر ناکافی ہوتی ہے اور وہ انھیں ایک بہروپیے کے رنگ میں ڈھال دیتی ہے۔

ایسے نوجوانوں سے گزارش ہے کہ وہ اس مسنون ہیئت کو اپنے کھلنڈرانہ ذوق کی تسکین کا ذریعہ بنائیں، نہ استہزاء و مذاق کا سامان۔ بلکہ بال رکھ کر سنجیدگی کا، بالوں کو صحیح طریقے سے پگڑی یا ٹوپی سے ڈھانپنے کا اور اس کے دیگر آداب کا خیال رکھیں۔ ورنہ اس سے بہتر ہے کہ وہ لمبے بال نہ رکھیں اور اُسترا پھروالیا کریں۔

قَزَع کی ممانعت اور اس کا مصداق

سر کے بالوں ہی کے سلسلے میں قزع کی ممانعت بھی منقول ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

«سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَنْهٰى عَنِ الْقَزَعِ»

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو قَزَع سے منع کرتے ہوئے سُنا۔''[1]

دوسری روایت میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''نبی ﷺ نے ایک بچے کو دیکھا کہ اس کے سر کے کچھ حصے کو مونڈا ہوا ہے اور کچھ حصے کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ آپ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ ''اس کے

[1] صحيح البخاری، اللباس، باب القزع، حديث: 5920

سارے سر کو مونڈ و یا سارے سر کو چھوڑ دو۔''

اس سے معلوم ہوا کہ قزع کا مصداق حجامت کا وہ انداز ہے جس میں سر کے کچھ بالوں کو مونڈ دیا جائے اور کچھ کو رہنے دیا جائے۔ جیسے سر کے درمیان میں چوٹی چھوڑ دی جائے۔ یا پیچھے اور دونوں اطراف سے بال مونڈ دیے جائیں اور اگلے حصے کے بالوں کو چھوڑ دیا جائے، جیسے آج کل انگریزی حجامت ہے یہ سب قزع ہی کی صورتیں ہیں۔ اس لیے سر کے بالوں کی جائز یا مسنون صورتیں حسب ذیل ہیں۔

① پٹے بال، یہ مسنون ہیں جیسے کہ تفصیل گزری، اس لیے یہ سب سے بہتر صورت ہے۔

② اُسترے سے بال مونڈ دیے جائیں (یہ جائز ہے)

③ قینچی سے بال چھوٹے کر لیے جائیں (یہ بھی جائز ہے)

موزے اور جرابیں

موزے اور جرابیں بھی انسانی لباس کا حصہ ہیں اور یہ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک چمڑے کے جسے عربی میں خُفّ اور نعل اور اردو میں مَوزہ کہتے ہیں۔ دوسرے، اونی یا سوتی کپڑے کے، جسے عربی میں جَوْرَب، تَسَاخِیْن اور اردو میں جُراب کہتے ہیں۔ سردی کے موسم میں ان کے استعمال سے انسان کو بہت سہولت ملتی ہے۔ کیونکہ ان کی وجہ سے وہ پیروں کو دھونے کی بجائے ان پر مسح کر سکتا ہے۔ یہ سہولت ہر مسلمان کو شریعت اسلامیہ نے عطا کی ہے۔ تاہم حنفی علماء نے مسح کی اس سہولت کو صرف چمڑے کے موزوں کے ساتھ خاص کر دیا ہے یا ان سوتی جرابوں کے ساتھ جو خاصے موٹے ہوں اور وہ چمڑے کے موزوں کی سی خصوصیات کے حامل ہوں۔ لیکن احادیث سے اس فرق کا اثبات نہیں ہوتا۔ اس کی مختصر تفصیل حسب ذیل ہے۔

موزوں اور جرابوں پر مسح کرنے کا بیان

احادیث میں موزوں اور جرابوں کے لیے خُفَّین ، نَعْلَیْن، جَوْرَب اور تَسَاخِین کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اول الذّکر دو الفاظ عام طور پر چمڑے کے موزوں کے لیے اور ثانی الذکر الفاظ سُوتی ، اونی اور چمڑے کی جرابوں کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ بلکہ اہل لُغت کی صراحت کی رو سے ہر وہ چیز جورب ہے جسے لفافے کی طرح پاؤں میں پہن لیا جائے اور جس سے پاؤں ڈھک جائیں۔ اس تعریف کی رو سے جرابیں سوت کی بنی ہوئی ہوں یا نائیلون کی، اون کی ہوں یا چمڑے کی، سب پر جورب کا اطلاق صحیح ہے۔ اور جرابوں پر مسح کرنا احادیث سے ثابت ہے، خود رسول اللہ ﷺ نے بھی خفین پر مسح کیا ہے۔[1] اور اہل لُغت نے خفین کو بھی جوربین میں شامل کیا ہے۔

ہماری اس بات کی تائید حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ایک اثر سے بھی ہوتی ہے جو صحیح سند سے مروی ہے، جس کی سند کو علامہ احمد شاکر نے ''جید'' قرار دیا ہے اور اس اثر کو ترمذی کے حاشیے پر نقل فرمایا ہے۔ وہ اثر یہ ہے:

ازرق بن قیس بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ بے وضو ہوگئے تو انھوں نے وضو کیا، اپنا چہرہ اور ہاتھ دھوئے اور اُونی جرابوں پر مسح کیا، میں نے ان سے کہا: کیا آپ ان جرابوں پر مسح کر رہے ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا:

«إِنَّهُمَا خُفَّانِ وَلٰكِنَّهُمَا مِنْ صُوفٍ»

''یہ بھی موزے ہیں، لیکن اون کے ہیں۔''

علامہ احمد شاکر مصری مرحوم یہ اثر نقل کر کے لکھتے ہیں:

---

[1] صحيح البخاري، الوضوء، باب إذا دخل رجليه وهما طاهرتان، حديث: 206

«وَهٰذَا الْأَثَرُ عَنْ أَنَسٍ يَدُلُّ عَلٰى أَنَّهُ ـ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ اللُّغَةِ ـ يَرٰى أَنَّ الْجَوْرَبَيْنِ يُطْلَقُ عَلَيْهِمَا اسْمُ الْخُفَّيْنِ أَيْضًا، وَأَنَّ الْمَقْصُودَ مِنْ ذٰلِكَ مَا يَسْتُرُ الرِّجْلَيْنِ، مِنْ غَيْرِ نَظْرٍ إِلٰى مَا يُصْنَعُ مِنْهُ، جِلْدًا أَوْ صُوفًا أَوْ غَيْرَ ذٰلِكَ»

''حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ اثر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کے نزدیک جرابوں پر خُفَّین (موزوں) کا اطلاق بھی صحیح ہے اور حضرت انس اہل زبان میں سے ہیں (اس لیے ان کی بات معتبر ہے) اور اس سے مقصود ایسی چیز ہے جو پیروں کو ڈھانپ لے، قطع نظر اس کے کہ وہ کس چیز کی بنی ہوئی ہے، چمڑے کی ہے یا اُون کی یا ان کے علاوہ کسی اور چیز کی۔''[1]

جرابوں پر مسح کرنے کی واضح روایت

علاوہ ازیں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ہی سے ایک اور روایت ترمذی میں موجود ہے جس میں نعلین (موزوں) کے ساتھ جرابوں پر بھی مسح کرنے کا ذکر ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

«تَوَضَّأَ النَّبِيُّ ﷺ وَمَسَحَ عَلَى الْجَوْرَبَيْنِ وَالنَّعْلَيْنِ»

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا اور جرابوں اور موزوں پر مسح کیا۔''[2]

امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے، اور اس کے علاوہ دیگر محققین حدیث نے بھی ان کی تائید کی ہے کیونکہ حضرت مغیرہ کی یہ روایت صحیح بخاری میں بھی ہے، لیکن ترمذی

---

[1] جامع الترمذی، (حاشیہ) الطهارة، باب ماجاء فی المسح علی الجوربین و النعلین، حدیث: 99، ج: 1 ص: 169 ـ بتحقیق احمد محمد شاکر مرحوم

[2] جامع الترمذی الطهارة، باب ماجاء فی المسح علی الجوربین......، حدیث: 99

میں یہ روایت جرابوں پر مسح کرنے کے اضافے کے ساتھ ہے۔ اس اضافے کو بیان کرنے والا راوی، ثقہ ہے اور ثقہ راوی کا اضافہ محدثین کے نزدیک بالاتفاق صحیح ہوتا ہے۔ چنانچہ اس مُسلّمہ اصول کی روشنی میں علامہ احمد شاکر مصری، علامہ جمال الدین قاسمی، امام العصر شیخ البانی، امام ابن دقیق العید وغیرھم رحمہم اللہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دے کر نبی ﷺ سے موزوں کے ساتھ جرابوں پر بھی مسح کرنے کا اثبات کیا ہے اور حضرت مغیرہ کی بیان کردہ روایات کو مختلف مواقع پر محمول کیا ہے، یعنی یہ کسی ایک ہی وقت کا واقعہ نہیں ہے، بلکہ مختلف واقعات ہیں، کسی وقت آپ نے موزوں پر اور کسی وقت جرابوں پر مسح فرمایا ہے۔[1]

صحابۂ کرام کا عمل

امام خطابی فرماتے ہیں کہ 13 صحابہ سے جرابوں پر مسح کرنا ثابت ہے اور کسی صحابی سے ان کی مخالفت ثابت نہیں۔ امام احمد بھی اس کے جواز کے قائل ہیں اور ان کی بنیاد یہی صحابہ کا عمل اور صریح قیاس ہے، کیونکہ موزوں اور جرابوں کے درمیان کوئی ایسا مؤثر فرق نہیں ہے کہ جس کی بنا پر ان کے درمیان حکم میں کوئی فرق کرنا صحیح ہو۔[2]

مذکورہ احادیث، آثار صحابہ، اہل لُغت کی صراحت اور قیاسِ صریح سے واضح ہے کہ جرابوں اور موزوں پر مسح کرنا جائز ہے، چاہے وہ چمڑے کے ہوں یا اون کے، سوتی ہوں یا نائیلون کے، موٹے ہوں یا پتلے۔ ہر قسم کی جرابوں پر مسح کیا جاسکتا ہے، ان کے درمیان فرق کرنا صحیح نہیں ہے، بشرطیکہ جرابیں پہنتے وقت انسان باوضو ہو۔

---

① تفصیل کے لیے دیکھیے، تعلیقات أحمد شاکر علی الترمذی : 1/167-169 ارواء الغلیل: 1/137-138، المحلی، لإبن حزم :2/84-87

② مختصر سنن أبی داود، للمنذری، باب المسح علی الجوربین، ج :1، ص : 122

مسح کرنے کی مدت

وضو کی حالت میں پہنی ہوئی جرابوں پر مقیم آدمی ایک رات اور ایک دن اور مسافر تین دن اور تین راتیں مسح کرسکتا ہے، البتہ احتلام اور جنابت کی صورت میں یہ رخصت ختم ہو جائے گی۔ کیونکہ ان صورتوں میں غسل واجب ہو جاتا ہے۔ البتہ قضائے حاجت سے یہ رخصت ختم نہیں ہوگی، بلکہ برقرار رہے گی اور مذکورہ مدت کے اندر مقیم اور مسافر پیر دھونے کی بجائے، جرابوں پر مسح کر سکتے ہیں۔

لباس کے حوالے سے عورتوں کے لیے کیا جائز ہے اور کیا ناجائز؟ گزشتہ مباحث سے جو امور واضح ہوتے ہیں، ان کی رو سے یہ احکام تین قسم کے ہیں:

① وہ احکام جو مشترکہ ہیں یعنی ان کے مخاطب مرد اور عورتیں دونوں ہیں، دونوں کے لیے ان کی پابندی ضروری ہے۔

② وہ احکام جن کی مخاطَب صرف عورتیں ہیں یعنی صرف عورتوں کے لیے وہ ضروری اور لازمی ہیں۔

③ وہ احکام جن کا تعلق مباحات سے ہے، یعنی عورتوں کے لیے وہ لازمی نہیں ہیں، البتہ مردوں کے مقابلے میں ان امور میں ان کے لیے رخصت و اجازت ہے۔

ان کی مختصر تفصیل حسب ذیل ہے:

احکام مشترکہ

جو احکام مرد و عورت کے درمیان مشترک ہیں، ان کی فہرست حسب ذیل ہے، قارئین ان کی تفصیل گزشتہ مباحث میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں:

- اسراف اور تکبر مردوں کی طرح عورتوں کے لیے بھی ناجائز ہیں، عورتوں کا لباس بھی ان دونوں چیزوں سے پاک ہونا چاہیے۔
- خضاب بالسواد (بالوں کو سیاہ خضاب سے رنگنا) جس طرح مردوں کے لیے ممنوع ہے،

عورتوں کے لیے بھی ممنوع ہے۔

- کافروں والا لباس جس طرح مردوں کے لیے ممنوع ہے، عورتوں کے لیے بھی کافر عورتوں کا لباس ممنوع ہے۔
- غیر مسلموں کی مشابہت اختیار کرنا بھی مرد وعورت دونوں کے لیے حرام ہے۔
- درندوں اور چیتوں کی کھالوں کا لباس بھی دونوں کے لیے ممنوع ہے۔
- لباس پہننے کا آغاز دائیں جانب سے کیا جائے، اس حکم کے مخاطَب بھی مرد و عورت دونوں ہیں۔
- سونا مردوں کے لیے حرام ہے مگر دوسری دھاتوں کی انگوٹھیاں مردوں کی طرح عورتوں کے لیے بھی جائز ہیں۔
- سادگی اختیار کرنے کے حکم میں مرد وعورت دونوں شامل ہیں۔
- سادگی اور تجمل و آرائش کے درمیان اعتدال کی تاکید دونوں ہی کے لیے ہے۔
- موزوں اور جُرابوں کا استعمال اوران پر مسح دونوں کے لیے جائز ہے۔
- جوتے پہننے اوراتارنے کے بارے میں جو ہدایات مردوں کے لیے ہیں، وہی عورتوں کے لیے بھی ہیں۔
- عورتیں ہر قسم کے رنگ کا لباس پہن سکتی ہیں، لیکن اس میں مردوں کی یا غیر مسلموں کی مشابہت نہ ہو۔

مباحات (جائز امور)

کچھ احکام ایسے ہیں کہ مردوں کے مقابلے میں عورتوں کے لیے ان میں جواز ہے۔ یعنی وہ اگر کرنا چاہیں تو کرسکتی ہیں، فرض وواجب نہیں۔ صرف جائز ہیں۔ یہ حسب ذیل ہیں:

- عورتوں کے لیے سونے کا زیور (انگوٹھی، چین، ہار، بُندے وغیرہ) سب جائز ہیں، جب کہ مردوں کے لیے یہ سب حرام ہیں۔
- ریشمی لباس کا استعمال بھی عورت کے لیے جائز ہے، مردوں کے لیے حرام ہے۔
- عورت ہر قسم کا رنگین لباس (جس میں صرف کافروں یا باطل فرقوں کی مشابہت نہ ہو) پہن سکتی ہے۔ جب کہ مرد کے لیے بعض رنگ ممنوع ہیں۔

ممنوعات و واجبات

یہ احکام کی تیسری قسم ہے جو صرف عورتوں کے ساتھ خاص ہے اور اس کی رو سے یہ احکام عورتوں کے لیے فرض و واجب کے درجے میں ہیں۔ ان سے انحراف کی ان کو قطعاً اجازت نہیں ہے۔ اور یہ حسب ذیل ہیں:

پردے کا حُکم

ان احکام میں سب سے اہم پردے کا حکم ہے جو عورت کو دیا گیا ہے اور جو اس کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اس حکم کی رُو سے عورت کا سارا جسم قابل سَتر ہے، یعنی غیر محرموں کے سامنے وہ ہاتھ اور چہرے سمیت جسم کا کوئی حصہ ننگا نہیں کر سکتی۔ گویا اس کا لباس اس طرح کا ہونا چاہیے کہ اس حکم کے تقاضوں کو وہ پورا کرے۔ اس اعتبار سے عورت کے لیے تین صورتیں بنتی ہیں۔ دو صورتوں کا تعلق گھر کے اندر سے ہے اور ایک کا تعلق گھر سے باہر (بیرونِ در) سے ہے۔

- گھر کی چار دیواری کے اندر ایک صورت تو یہ ہے کہ عورت مشترکہ خاندان (جوائنٹ فیملی سسٹم) میں رہتی ہے جہاں اس کے دیور، جیٹھ اور ان کی جوان اولاد بھی ہوتی ہے۔

شرعی لحاظ سے چونکہ ایک عورت کو خاندان کے ان تمام افراد سے پردہ کرنے کا حکم ہے۔ ایسی صورت میں عورت ہر وقت بڑی چادر یا برقعے میں تو ملبوس نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ گھر میں رہتے ہوئے اس نے سارے امور خانہ داری بھی انجام دینے ہوتے ہیں۔ اس لیے مذکورہ افرادِ خاندان سے پردے کی آسان صورت یہ ہے کہ اس کا لباس حسبِ ذیل شرائط کے مطابق ہو۔

* اس لباس سے اس کے بازو ننگے ہوں نہ اس کی چھاتی، اس کے پیر ننگے ہوں نہ گدّی، اسی طرح اس کا سر بھی ننگا نہ ہو۔ بلکہ اس کے سر پر ایسا موٹا دوپٹہ یا چھوٹی چادر ہو کہ دیور، جیٹھ وغیرہ کی موجودگی میں چہرے پر پلّو لٹکا کر اپنے چہرے کو چھپا سکے۔
* ایسا باریک لباس نہ ہو جس سے اس کا جسم جھلکے اور اس کے حُسن کی چُغلی کھائے۔
* لباس ڈھیلا ڈھالا ہو۔ اس طرح تنگ، چُست اور کسا کسایا نہ ہو جس سے اس کے سارے خدوخال نمایاں ہوں۔
* لباس زیادہ شوخ اور بھڑکیلا نہ ہو، جسے دیکھ کر کسی کے جذبات برانگیختہ ہوں۔

اس انداز کے لباس سے اور احتیاط سے مشترکہ خاندان میں پردے کے ضروری احکام پر عمل ہو جاتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ایک گھر میں رہتے ہوئے دیور، جیٹھ، بہنوئی وغیرہ سے پردہ کس طرح ممکن ہے؟ چنانچہ اس کو ناممکن یا مشکل سمجھتے ہوئے اکثر گھروں میں مذکورہ افراد سے پردہ نہیں کیا جاتا۔ حالانکہ شریعت کے احکام ناممکن العمل نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿لَا يُكَلِّفُ ٱللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾

''اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ کسی بات کا مُکلّف نہیں ٹھہراتا۔''[1]

اگر خاندان کے مذکورہ افراد اور دیگر غیر محرموں سے پردہ کرنا ناممکن ہوتا تو اللہ تعالیٰ کبھی

---

[1] البقرة 286:2

بھی عورت کو ان سے پردہ کرنے کا حکم نہ دیتا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس حکم کا صدور ہی اس بات کی دلیل ہے کہ اس پر عمل کرنا ممکن ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کسی اصول، قانون اور ضابطے کی پابندی میں انسان کو یقیناً کچھ نہ کچھ مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے۔ اور دین و دنیا کا کون سا ایسا کام ہے جس میں محنت و مشقت نہ ہو؟ اس لیے محض مشقت کی وجہ سے کسی بھی کام کی بابت یہ نہیں کہا جاتا، نہ کہا ہی جا سکتا ہے کہ یہ ناممکن العمل ہے۔ اسی طرح دیور، جیٹھ وغیرہ سے پردہ کرنے میں لباس کی مذکور شرطوں کا لحاظ رکھنا یقیناً ایک مشقت طلب کام ہے۔ لیکن اللہ کی رضا کے لیے اس مشقت کو برداشت کرنا ہی تو شیوۂ مسلمانی ہے، اس مشقت ہی میں تو آخرت کا اجر و ثواب پنہاں ہے۔

لہٰذا ہر مسلمان گھرانے کو مذکورہ لباس اور پردے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اسی میں دین و دنیا کی سعادت ہے۔

❁ گھر کی چار دیواری کے اندر دوسری صورت یہ ہے کہ گھر میں خاوند کے علاوہ دوسرا کوئی مرد نہیں رہتا۔ ایسی صورت میں عورت کے لیے گنجائش ہے کہ لباس میں مذکورہ شرطوں میں بعض کو نظر انداز کر دے، کیونکہ گھر میں خاوند کے علاوہ کوئی دوسرا ایسا شخص نہیں جس سے پردہ کرنا ضروری ہو۔ اس کے دوسرے رشتے دار یا خاوند کے دوست احباب گھر میں آئیں، تو ان کو تو ویسے ہی زنان خانے میں آنے کی اجازت نہیں ہے، وہ گھر کے مردانہ حصے میں بیٹھیں۔ کسی رشتے دار کو عورت سے بات کرنی ضروری ہو تو وہ پردے میں بات کرے، نہ کہ بے حجابانہ انداز سے گفتگو کرے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوهُنَّ مِن وَرَآءِ حِجَابٍ ﴾

''اور جب تم ان بیبیوں سے کسی چیز کا سوال کرو، تو پردے کی اوٹ سے سوال کیا کرو۔''[1]

---

[1] الأحزاب 53:33
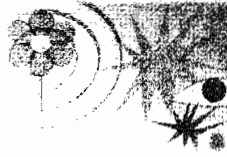
③ تیسری صورت بیرونِ دَر (گھر سے باہر) کی ہے۔عورت کا اصل مقام تو اس کا گھر ہے، اسی لیے عورت کو تمام بیرونی ذمے داریوں سے فارغ رکھا گیا ہے۔ نہ اسے ملازمت کرنے کی ضرورت ہے اور نہ خرید وفروخت کے لیے بازاروں اور مارکیٹوں کی خاک چھاننے کی۔عورت کی ہر چیز کا کفیل اور ذمے دار مرد ہے، وہ اسے گھر بیٹھے ہر چیز مہیا کرے، اس کا تعلق عورت کے نان ونفقہ سے ہو یا گھر کی دیگر ضروریات سے۔کسی بھی معاملے میں عورت کو گھر سے باہر جانے کی ضرورت نہیں ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ﴾

''اور تم گھروں میں ٹک کر رہو اور زمانۂ جاہلیت کی طرح اپنے آپ کو دکھاتی نہ پھرو۔''[1]

اس اعتبار سے عورت کا اصل مقام گھر کی چاردیواری ہے اور اس کی ذمے داری امور خانہ داری کا انجام دینا، بچوں کی تربیت اور خاوند کی خدمت کرنا ہے، تاہم اگر کبھی کسی ضرورت کے تحت اسے گھر سے باہر جانا ہو تو شرعاً اس کی اجازت ہے، وہ ضروری کام کے لیے گھر سے باہر جاسکتی ہے، لیکن اس کے لیے حسب ذیل پابندی ضروری ہے۔

* وہ اس طرح ساتر لباس میں باہر نکلے کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ ننگا نہ ہو، حتی کہ اس کے ہاتھ پیر اور چہرہ بھی نظر نہ آئیں۔ علاوہ ازیں برقعہ بھی ڈھیلا ڈھالا ہو، تاکہ اس کے جسمانی خدوخال نمایاں نہ ہوں۔
* اس کی چال ڈھال ایسی ہو جس میں زیور کی جھنکار ہو نہ ناز ونخرہ۔
* گھر سے باہر نکلتے وقت اس کے لیے خوشبو کا استعمال بھی جائز نہیں ہے۔
* عورت کے ٹخنے ڈھکے ہوئے ہونے چاہئیں۔

---

① الأحزاب 33:33

ممنوعات میں دوسرا مسئلہ عورت کے ٹخنوں کا مسئلہ ہے۔ مرد کے لیے تو حکم ہے کہ وہ ٹخنے ننگے رکھے۔ لیکن عورت کے لیے حکم ہے کہ ٹخنے بلکہ ہاتھ پیر بھی باہر نکلتے وقت ڈھانک کر رکھے۔ اس لیے کہ احادیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے قدم بھی قابل پردہ ہیں۔[1]

تیسری ممنوع چیز مردوں کی مشابہت ہے۔ عورت کے لیے حرام ہے کہ وہ چال ڈھال میں، لباس میں، وضع قطع میں اور بول چال وغیرہ میں مردوں کا سا انداز اپنائے۔ اس کے لیے ہر قسم کی مشابہت ممنوع ہے جس طرح مرد کے لیے عورت کی مشابہت اختیار کرنا ممنوع ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«لَعَنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الرَّجُلَ يَلْبَسُ لِبْسَةَ الْمَرْأَةِ وَالْمَرْأَةَ تَلْبَسُ لِبْسَةَ الرَّجُلِ»

''رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی اس مرد پر جو عورتوں کا لباس پہنتا ہے اور اس عورت پر جو مردوں کا لباس پہنتی ہے۔''[2]

عورتوں کو سر کے بال مُنڈانے کی ممانعت

چوتھی ممنوع چیز عورت کا حلقِ رأس ہے۔

«عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ تَحْلِقَ الْمَرْأَةُ رَأْسَهَا»

''حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عورت کو اپنا سر منڈانے سے

---

① الصحيحة :828/1، رقم الحديث :460 جلباب المرأة المسلمة، ص :81,80

② سنن أبي داود، اللباس، باب في لباس النساء، حديث :4098

منع فرمایا ہے۔''[1]

یہ روایت سنداً کمزور ہے، شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف ترمذی اور ضعیف نسائی میں درج کرنے کے علاوہ ''الضعیفہ'' میں بھی اس کے ضعف پر بحث کی ہے۔[2]

تاہم دوسری صحیح روایات سے اس ممانعت کا اثبات ہوتا ہے جیسے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انھوں نے کہا:

«إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ بَرِئَ مِنَ الصَّالِقَةِ وَالْحَالِقَةِ وَالشَّاقَّةِ»

''بے شک رسول اللہ ﷺ نے اظہار براءت کیا ہے، بین کرنے والی، سر منڈانے والی اور کپڑے پھاڑنے والی عورت سے۔''[3]

اور صحیح مسلم کے الفاظ ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَنَا بَرِيءٌ مِّمَّنْ حَلَقَ وَسَلَقَ وَخَرَقَ»

''میں بری ہوں اس سے جو سر منڈائے اور بین کرے اور کپڑے پھاڑے۔''[4]

اس حدیث کا تعلق اگرچہ مصیبت کے وقت ایسا نہ کرنے سے ہے۔ لیکن عورت کے لیے سر منڈانا ہر حالت میں ممنوع ہے، یہی وجہ ہے کہ حج کے اور عمرے کے موقعے پر جب کہ مردوں کے لیے سر منڈانے یا کترانے کا حکم ہے، عورت کو تاکید ہے کہ وہ نہ سر منڈائے اور نہ بال کترائے، بلکہ اپنی چوٹی کے بالوں سے انگلی کے پور کے برابر بال کاٹ لے۔ چنانچہ امام ترمذی لکھتے ہیں:

---

① جامع الترمذی، الحج، باب ماجاء فی کراھیة الحلق للنساء، حدیث: 914

② دیکھیے السلسلة الضعیفه، رقم: 678، ج: 6 ص: 124

③ صحیح البخاری، الجنائز، باب ما ینھی من الحلق عند المصیبة، حدیث: 1296

④ صحیح مسلم، الإیمان، باب تحریم ضرب الخدود و شق الجیوب......، حدیث: 104

والعمل على هذا عند أهل العلم لا يرون على المرأة حلقًا، ويرون أن عليها التقصير

’’اہل علم کے نزدیک اسی حدیث پر (جس میں سر منڈانے کی ممانعت ہے) عمل ہے، وہ عورت کے لیے سر منڈانے کو جائز نہیں دیکھتے اور کہتے ہیں کہ ان کے لیے تقصیر ہے (یعنی تھوڑے سے بال کاٹ لینا)۔‘‘[1]

عورتوں کا فیشنی بال رکھنے کی حیثیت

جب حج کے موقع پر عورت کے لیے انگلی کے پور سے زیادہ بال کاٹنا جائز نہیں ہے، تو عام حالات میں اس کے لیے اس سے زیادہ بال کاٹنا کس طرح جائز ہوسکتا ہے؟ یقیناً نہیں ہوسکتا۔

اس سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ آج کل مغرب کی حیاباختہ اور بے پردہ عورتوں کی نقالی میں عورتوں میں پورے بال رکھنے کی بجائے پٹے نما فیشنی بالوں کا رواج جو عام ہورہا ہے، وہ یکسر غلط ہے، شرعی لحاظ سے اس کی گنجائش نہیں۔

* ایک تو اس کی بنیاد کافر عورتوں کی نقالی پر ہے۔
* دوسرے، اس سے بے پردگی کو فروغ مل رہا ہے۔
* تیسرے، اس میں مردوں کے ساتھ تشابُہ ہے۔

ازواج مطہرات کے عمل سے استدلال اور اس کی حقیقت

اس سلسلے میں ازواج مطہرات کے عمل سے دلیل پکڑی جاتی ہے کہ انھوں نے اپنے بال

[1] جامع الترمذی، الحج، باب ماجاء فی کراھیة الحلق للنساء، تحت حدیث : 915
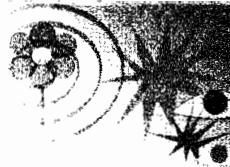
کاٹ لیے تھے حتی کہ وہ وَفْرَہ کی طرح ہوگئے تھے۔[1] (وَفْرَہ بال کانوں کی لَو تک ہوتے ہیں جیسے پٹے بال ہوتے ہیں)۔

ازواج مطہرات کے اس عمل کی بابت علماء نے لکھا ہے کہ ان کا یہ عمل زیب و زینت کے لیے نہیں، بلکہ ترکِ زینت کے لیے تھا، اور نبی ﷺ کی وفات کے بعد انھوں نے ایسا کیا تھا۔

آج کل عورتیں لمبے بالوں کی بجائے جو چھوٹے بال رکھتی ہیں تو وہ ایسا ایک تو زیب و زینت کے لیے کرتی ہیں اور زیب و زینت بھی وہ جسے دنیا دیکھے۔ گویا بے پردگی بھی اس فیشن کا لازمی حصہ ہے۔ حالانکہ عورت کے لیے زیب و زینت کا اظہار صرف خاوند کے سامنے کرنے کی اجازت ہے نہ کہ غیروں کے سامنے بھی۔ اور چھوٹے بالوں کا مقصد ہی دنیا کے سامنے اپنے حسن و جمال کا اظہار ہے۔

دوسرے اس میں غیر مسلم عورتوں کی نقالی ہے، جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا گیا ہے۔ یہ فیشن مغربی ملکوں کی عورتوں میں رائج ہے جہاں نہ صرف یہ کہ پردے کا کوئی تصور نہیں ہے بلکہ وہاں مرد و زن کا اختلاط عام اور عورتوں کو مرد بننے کا خبط وجنون ہے۔

جس عمل کی بنیاد ہی بے پردگی، غیروں کے سامنے زیب و زینت کے اظہار اور کافروں کی نقالی پر ہو وہ عمل کس طرح جائز ہوسکتا ہے؟

مرد اور عورت کے لیے نماز کا لباس

نماز کی حالت میں مرد کا قابل ستر حصہ ناف سے لے کر گھٹنوں تک ہے، البتہ ایک حدیث کی رو سے اس کے کندھوں پر بھی لباس کا کچھ حصہ ہونا ضروری ہے۔ ان شرائط پر پورا اترنے والا

---

[1] صحيح مسلم، الحيض، باب القدر المستحب من الماء في غسل الجنابة......، حديث: 320

لباس مرد کی نماز کے لیے کافی ہے، تاہم افضل یہ ہے کہ نماز کی حالت میں بھی اس کا لباس زینت کے مفہوم کو پورا کرنے والا ہو، جیسا کہ آیت ﴿يَٰبَنِيٓ ءَادَمَ خُذُواْ زِينَتَكُمۡ عِندَ كُلِّ مَسۡجِدٖ﴾[1] کا مفاد ہے۔اور عورت کے لیے ضروری ہے کہ نماز کی حالت میں اس کے سر پر چادر یا موٹا دوپٹہ ہو، یعنی عورت ننگے سر نماز نہیں پڑھ سکتی، جب کہ مرد پڑھ سکتا ہے۔ اسی طرح عورت مکمل پردے میں نماز پڑھے گی، تاہم نماز کی حالت میں اس کے لیے ہاتھ پیروں کو چھپانا اور چہرے کو چھپانا ضروری نہیں۔ وہ ننگے چہرے اور ننگے ہاتھ پیروں کے ساتھ نماز پڑھ سکتی ہے۔

احرام کا لباس

حج اور عمرے کے لیے احرام باندھنا ضروری ہے۔ مرد کے لیے احرام کا لباس دو چادریں ہیں، وہ احرام کی حالت میں شلوار، قمیص نہیں پہن سکتا۔ اسی طرح اس کا سر بھی ننگا رہنا ضروری ہے۔ تاہم وہ ہر طرح کی جوتی اور موزے پہن سکتا ہے، اور موزوں کو ٹخنوں کے نیچے تک کاٹ لے گا، جیسا کہ صحیح بخاری، حدیث:1542 میں ہے۔عورت کے اِحرام کے لیے مذکورہ چیزوں کی پابندی نہیں ہے۔ وہ اپنے عام لباس ہی میں احرام باندھے گی، اس کے لیے سر کا اور ٹخنوں کا ننگا رکھنا بھی ضروری نہیں ہے بلکہ وہ عام حالات کی طرح اس حالت میں بھی سر اور ٹخنے اور جسم کے سارے حصوں کو ڈھک کر رکھے گی۔ البتہ احرام کی حالت میں اسے چہرے پر نقاب ڈالنے سے اور ہاتھوں میں دستانے پہننے سے منع کیا گیا ہے لیکن یہ حالت اس وقت ہوگی جب مردوں کا سامنا نہ ہو۔ اس لیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ جب ہمارا سامنا مردوں سے ہوتا تو ہم اپنے چہروں کو چھپا لیتیں۔[2]

---

[1] الأعراف 31:7

[2] سنن أبي داود، المناسك، باب في المحرمة تخطي وجهها، حديث : 1833، وسنن ابن ماجه، حديث :4930 وحسنه الألباني في جلباب المرأة ص : 108
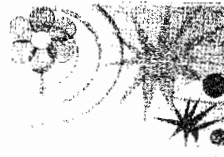
اس سے معلوم ہوا کہ حالت احرام میں عورت کے لیے منہ ننگا رکھنے کا حکم مردوں کی غیر موجودگی کے ساتھ مشروط ہے۔ اگر مسلسل مردوں کا سامنا رہے جیسا کہ آج کل حجاج وعمار کی کثرت کی وجہ سے ہے، تو اس کے لیے منہ کا ننگا رکھنا ضروری نہیں ہوگا۔ بلکہ عام حالات کی طرح چہرے کا پردہ بھی ضروری ہوگا۔ نبی ﷺ نے حالت احرام میں عورت کو نقاب یا (بعض روایات کی رُو سے) برقع لینے سے جو منع فرمایا ہے تو دراصل ان دونوں الفاظ کا مفہوم یہ ہے کہ عورت احرام کی حالت میں کسی کپڑے سے ڈھاٹا نہ باندھے۔ اس سے یہ مراد لینا کہ وہ چہرے کا پردہ نہ کرے، صحیح نہیں۔ صرف ڈھاٹا باندھنا ممنوع ہے، تاہم چادر سے چہرے کو چھپا لینا جائز ہے بلکہ آج کل ضروری ہے۔

چھوٹے بچے، بچیوں کا لباس

ہم پہلے وضاحت کر آئے ہیں کہ ہمارے ملک میں چھوٹے بچوں کو بچیوں والا لباس اور بچیوں کو بچوں والا لباس پہنانے میں کوئی حرج نہیں سمجھا جاتا۔ اسی طرح غیروں کی نقالی میں بچے بچیوں کو غیر مسلموں والا حیا باختہ لباس پہنانے کا چلن بھی عام ہوتا جا رہا ہے۔ شرعی لحاظ سے یہ سب باتیں ناجائز ہیں۔ صحیح بات یہی ہے کہ لباس میں بھی چھوٹے بچوں میں بھی مذکر و مؤنث کے فرق کو برقرار رکھا جائے اور اسی طرح اسلام کے تہذیبی تشخص کو بھی ملحوظ رکھا اور غیروں کی نقالی سے اجتناب کیا جائے۔

شادی بیاہ کا لباس

شادی بیاہ کے موقع پر دولھا دلھن کے لباسوں پر جو بے تحاشا رقم صرف کی جاتی ہے، وہ اسراف وتبذیر کی انتہا ہے، بالخصوص دلھن کا شب عروسی کا کامدار بھاری بھر کم جوڑا، جو پوری زندگی میں صرف ایک رات کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اور اس کے بعد صندوق کی زینت بن

جاتا ہے۔ لیکن اس پر صاحب حیثیت لوگ تو لاکھ ڈیڑھ لاکھ روپے تک صرف کر دیتے ہیں اور غریب لوگ بھی اس ایک سوٹ پر 10,5 ہزار روپے خرچ کر ہی دیتے ہیں۔ اسی طرح قوم کا اربوں روپیہ صندوقوں کی یا یوں کہیے کہ رسم و رواج کی نذر ہو جاتا ہے۔ یہ رویہ شیطانی چکر کے علاوہ معاشی اعتبار سے ایک مقروض قوم کے لیے سخت لمحۂ فکریہ ہے۔ اسی طرح اس موقع پر دولھا کے لیے تھری پیس کے انگریزی سوٹ کو بھی تقریباً لازمی سمجھ لیا گیا ہے جو سراسر ناجائز ہے۔ اس میں بھی اسراف (فضول خرچی) کے علاوہ مشابہت کفار بھی ہے۔ یعنی یہ بھی دو بڑے گناہوں کا مجموعہ ہے جسے گناہ سمجھا ہی نہیں جاتا۔ آہ!

نگاہ کی نامسلمانی سے فریاد

نیا لباس پہننے کی دعا

نبی ﷺ نے فرمایا جس نے کوئی کپڑا پہنا اور یہ دعا پڑھی تو اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ وہ دعا حسب ذیل ہے:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی كَسَانِی هٰذَا الثَّوْبَ وَرَزَقَنِيهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِّنِّی وَلَا قُوَّةٍ»

”تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے یہ لباس پہنایا اور بغیر میری کسی قوت اور اختیار کے، اس نے مجھے یہ عطا کیا۔“[1]

[1] سنن أبی داود، اللباس، باب مایقول إذا لبس ثوبا جدیداً، حدیث: 4023

ولباس التقوی ذلک خیر

تحقیق و تخریج کے ساتھ مزین نیا ایڈیشن

فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ

ترجمہ
ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر حفظہ اللہ

مقدمہ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ. وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ وَّسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا، أَمَّا بَعْدُ:

اللہ رب العزت نے حضرت محمد ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، تا کہ آپ تمام انسانوں کو ان کے غالب وستودہ صفات پروردگار کے حکم کے مطابق اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لائیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عبادت کی حقیقت واضح کرنے کے لیے مبعوث فرمایا۔ بندگی کا اظہار صرف اسی طرح ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر کی مکمل اطاعت اور اس کی منع کردہ اشیاء سے مکمل اجتناب کیا جائے، نیز اس کے احکامِ عالیہ کو خواہشات وشہواتِ نفسانیہ پر مقدم کرتے ہوئے اس کے حضور خاکساری اور انتہائی تواضع کی جائے۔ سعودی عرب، جو وحی و رسالت کا مرکز اور حیا وحشمت کا گہوارہ ہے، وہاں ایک مدت سے اس معاملے میں لوگ سیدھے راستے پر گامزن تھے۔ عورتیں چادریں وغیرہ اوڑھ کر مکمل پردہ کر کے گھر سے نکلا کرتی تھیں۔ غیر محرم مردوں کے ساتھ آزادانہ میل جول کا تصور تک ان میں نہ تھا۔ بحمد اللہ مملکت سعودیہ کے اکثر شہروں میں آج بھی یہی صورت حال ہے۔

لیکن اس دور میں جبکہ کچھ لوگوں نے پردے کے متعلق نامناسب انداز میں گفتگو شروع کی ہے، ان لوگوں کو دیکھ کر جو پردے کے قائل ہی نہیں یا کم از کم چہرے کو کھلا رکھنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے، ہمارے ہاں بھی کچھ لوگ شریعتِ مطہرہ کے اس حکم بالخصوص چہرہ ڈھانپنے کے متعلق غلط فہمی کا شکار ہونے لگے ہیں۔ ان کی طرف سے یہ سوال کیا جانے لگا ہے کہ پردہ واجب ہے یا مستحب؟ یہ شرعی حکم ہے یا اس معاملہ میں ماحول، عادات اور رسم و رواج کو پیش نظر رکھ کر فیصلہ کرنا چاہیے؟ کیا ایسا تو نہیں کہ اس کی کوئی شرعی حیثیت ہی نہ ہو کہ اس کے واجب یا مستحب ہونے کا حکم لگایا جا سکے؟

اس قسم کے شکوک و شبہات، غلط فہمیوں کے ازالے اور حقیقتِ حال کی وضاحت کے لیے میں نے مناسب سمجھا کہ وہ دلائل مرتب کردوں جو اس کا حکم واضح کرنے کے لیے مجھے میسر آئیں۔ اللہ عزوجل کی رحمت سے امید ہے کہ یہ رسالہ توضیحِ حق میں مدومعاون ثابت ہوگا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں میں سے بنائے جو خود بھی ہدایت یافتہ ہیں اور دوسروں کو بھی راہِ راست کی طرف بلاتے ہیں۔ وہی لوگ حق کو حق جانتے اور اس کی پیروی کرتے ہیں۔

نبی ﷺ کی بعثت کا مقصد مکارمِ اخلاق کی تکمیل بھی تھا۔ آپ نے ہر طریقے سے فضائل کی دعوت دی۔ رذائل اور برے اخلاق کو بیخ و بن سے اکھاڑا اور لوگوں کو ان رذائل سے بچنے کی ہر ممکن طریقے سے تلقین فرمائی۔ اس طرح شریعت محمدیہ ہر لحاظ سے کامل ہوکر سامنے آئی۔ اب وہ اپنی تکمیل و ترتیب کے لیے مخلوق کی جانب سے کسی کاوش کی محتاج نہیں کیونکہ یہ دانا اور خبردار رب کی جانب سے نازل کردہ شریعت ہے جو اپنے بندوں کی اصلاح کے طریقوں سے خوب باخبر اور ان کے لیے بے پایاں رحمت والا ہے۔

رسولِ اکرم ﷺ کو جن اعلیٰ اخلاق کے ساتھ مبعوث کیا گیا، ان میں سے ایک نہایت بلند

مرتبہ اور گراں قدر وصف ''حیا'' ہے جسے آپ ﷺ نے ایمان کا جز اور اس کی شاخوں میں سے ایک شاخ قرار دیا ہے۔ کوئی عقل منداس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ عورت کا باوقار اور ایسے عادات واطوار کے ساتھ رہنا جو اسے مشکوک مقامات اور فتنوں سے دور رکھیں، اس حیا کا حصہ ہیں جس کا عورت کو اسلامی شریعت اور اسلامی معاشرے میں حکم دیا گیا ہے۔ اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں کہ عورت کا اپنے چہرے اور جسم کے دیگر پُر کشش مقامات کو ڈھانپ کر باپردہ رہنا ہی اس کے لیے سب سے بڑا وقار ہے جس سے وہ اپنے آپ کو آراستہ کر سکتی ہے۔ وباللہ التوفیق۔

محمد بن صالح العثیمین

◆ چہرے کے پردے کا وجوب

ہر مسلمان کو معلوم ہونا چاہیے کہ غیر محرم مردوں سے عورت کا پردہ کرنا اور منہ ڈھانپنا فرض ہے۔ اس کی فرضیت کے دلائل رب العزت کی کتابِ عظیم اور نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مطہرہ میں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ اجتہاد اور درست فقہی قیاس بھی اسی کے متقاضی ہیں۔

قرآن حکیم سے چند دلائل

پہلی دلیل:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ۖ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَىٰ عَوْرَاتِ النِّسَاءِ ۖ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ ۚ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣١﴾﴾

''اور آپ مومن عورتوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت نہ کھولیں مگر جو (ازخود) اس میں سے ظاہر ہو اور اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈالے رکھیں، اور اپنا بناؤ سنگار ظاہر نہ کریں، مگر اپنے خاوندوں پر یا اپنے باپ دادا پر یا اپنے خاوندوں کے باپ دادا پر یا اپنے بیٹوں پر یا

اپنے شوہروں کے بیٹوں (سوتیلے بیٹوں) پر یا اپنے بھائیوں پر یا اپنے بھتیجوں پر یا اپنے بھانجوں پر یا اپنی (مسلمان) عورتوں پر یا اپنے دائیں ہاتھ کی ملکیت (کنیزوں) پر یا عورتوں سے رغبت نہ رکھنے والے نوکر چاکر مردوں پر یا ان لڑکوں پر جو عورتوں کی چھپی باتوں سے واقف نہ ہوں اور وہ (عورتیں) اپنے پاؤں (زور زور سے) زمین پر مارتی ہوئی نہ چلا کریں کہ اپنی جو زینت انھوں نے چھپا رکھی ہے وہ (لوگوں کو) معلوم ہو جائے، اور اے مومنو! تم مجموعی طور پر اللہ سے توبہ کرو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔''[1]

یہ آیت مبارکہ چہرے کے پردے کے وجوب پر مندرجہ ذیل طریقوں سے دلالت کرتی ہے:

① اللہ عز وجل نے مومن عورتوں کو اپنی عصمت کی حفاظت کا حکم دیا ہے اور عصمت کی حفاظت کے حکم کا تقاضا یہ ہے کہ وہ تمام وسائل و ذرائع اختیار کیے جائیں جو اس مقصد کے حصول میں مددگار ہو سکتے ہیں اور ہر عقلمند آدمی جانتا ہے کہ چہرے کا پردہ عصمت کی حفاظت کے منجملہ وسائل میں سے ہے کیونکہ چہرہ کھلا رکھنا غیر محرم مردوں کے لیے اس کی طرف دیکھنے کا ذریعہ بنتا ہے اور مردوں کو اس کے خدوخال کا جائزہ لینے کا موقع ملتا ہے جس سے بات میل ملاقات بلکہ ناجائز تعلقات تک جا پہنچتی ہے۔ حدیث نبوی ہے:

«اَلْعَيْنَانِ تَزْنِيَانِ وَزِنَاهُمَا النَّظْرُ»

''آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا (ناجائز) دیکھنا ہے۔''[2]

پھر رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ پاؤں وغیرہ کے زنا کا ذکر کرنے کے بعد آخر میں فرمایا:

«وَالْفَرْجُ يُصَدِّقُ ذٰلِكَ أَوْ يُكَذِّبُهُ»

---

① النور 31:24

② مسند أحمد 343/2:

''شرمگاہ اس کی تصدیق کردیتی ہے یا تکذیب۔''[1]

لہٰذا جب چہرے کا پردہ حفظِ ناموس وعصمت کا ذریعہ ٹھہرا تو وہ بھی اسی طرح فرض ہوگا جس طرح کہ حفظِ ناموس وعصمت فرض ہے۔ اُن وسائل و ذرائع کا بھی وہی حکم ہوتا ہے جو ان مقاصد کے حصول کے لیے بروئے کار لائے جاتے ہیں۔

② اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ﴾

''اور وہ اپنے گریبانوں پر دوپٹے ڈال کر رکھیں۔''[2]

خمار (جس کی جمع خُمُر ہے) اس کپڑے کو کہتے ہیں جسے عورت اپنا سر ڈھانپنے کے لیے اوڑھتی ہے، مثلاً: برقعے کا نقاب وغیرہ۔ جب عورت کو یہ حکم ہے کہ وہ اپنے سینے پر دوپٹہ ڈال کر رکھے تو چہرہ ڈھانپنا بھی فرض ہوگا کیونکہ یا تو چہرہ لازماً اس حکم میں داخل ہو جاتا ہے یا پھر قیاس صحیح اس کا تقاضا کرتا ہے۔ وہ اس طرح کہ جب گردن و سینہ کو ڈھانپنا فرض ہے تو چہرے کے پردے کی فرضیت تو بدرجہ اولیٰ ہونی چاہیے کیونکہ وہی خوبصورتی کا مظہر اور فتنے کا موجب ہے۔ اور ظاہری حسن کے متلاشی صرف چہرہ ہی دیکھتے ہیں۔ چہرہ خوبصورت ہو تو باقی اعضاء کو زیادہ اہمیت کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ جب کہا جاتا ہے کہ فلاں خوبصورت ہے تو اس سے بھی چہرے کا جمال ہی مراد ہوتا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ چہرے کا حسن و جمال ہی پوچھنے اور بتانے والوں کی گفتگو کا محور ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں کیسے ممکن ہے کہ حکمت پر مبنی شریعت سینہ و گردن کے پردے کا تو حکم دے لیکن چہرہ کھلا رکھنے کی رخصت دے۔

---

[1] مسند أحمد: 343/2

[2] النور 31:24

③ اللہ تعالیٰ نے زینت کے اظہار سے بالکل منع کر دیا ہے۔اس حکم سے صرف وہ زینت مستثنیٰ ہے جس کے اظہار سے کوئی چارۂ کار ہی نہیں، مثلاً: بیرونی لباس، اسی لیے قرآن نے ﴿ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ﴾ ''سوائے اس زینت کے جو از خود ظاہر ہو جائے'' کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے، یوں نہیں فرمایا: (اِلَّا مَا اَظْهَرْنَ مِنْهَا) ''سوائے اس زینت کے جسے عورتیں ظاہر کریں۔''

④ پھر اسی آیت میں زینت کے اظہار سے دوبارہ منع فرمایا اور بتایا کہ صرف ان افراد کے سامنے زینت ظاہر کی جا سکتی ہے جنھیں مستثنیٰ کیا گیا ہے۔اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دوسرے مقام پر مذکور زینت پہلے مقام پر مذکور زینت سے مختلف اور علیحدہ ہے۔ پہلے مقام پر اس زینت کا حکم بتایا گیا ہے جو ہر ایک کے لیے ظاہر ہوتی ہے اور اس کا پردہ ممکن نہیں جب کہ دوسرے مقام پر مخفی زیبائش مراد ہے، یعنی جس کے ذریعے سے عورت خود کو مزّین کرتی ہے۔ اگر اس آرائش و زیبائش کا اظہار بھی ہر ایک کے سامنے جائز ہو تو پہلی زینت کے اظہار کی عام اجازت اور دوسری زینت کے اظہار کے حکم سے بعض افراد کے استثنا کا کوئی خاص فائدہ نہیں رہ جاتا۔

طفیلی قسم کے افراد جو صرف کھانا کھانے کے لیے کسی کے گھر میں رہتے ہوں اور ان میں صنفی میلان ختم ہو چکا ہو، مردانہ اوصاف سے محروم خدام اور وہ نابالغ بچے جو عورتوں کی پوشیدہ باتیں سمجھ نہیں پاتے تو ایسے افراد کے سامنے اللہ تعالیٰ نے مخفی زینت کو کھلا رکھنے کی اجازت دی ہے۔اس سے دو امور ثابت ہوئے:

مذکورہ بالا دو قسم کے افراد کے سوا مخفی زیبائش کو کسی کے سامنے کھلا رکھنا جائز نہیں ہے۔

بلاشبہ پردے کے حکم کا دارومدار اور اس کے واجب ہونے کی علت عورت کی طرف دیکھ کر (مردوں کا) فتنے میں مبتلا اور وارفتگی کا شکار ہو جانے کا اندیشہ ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ

چہرہ ہی سب سے زیادہ حسن کا مرکز اور فتنے کا مقام ہوتا ہے، لہٰذا اس کا ڈھانپنا ضروری ہوگا تاکہ مرد حضرات بشری تقاضوں کے باعث کسی آزمائش میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

⑤ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ ﴾

''اور اپنے پاؤں (ایسے طور سے زمین پر) نہ ماریں کہ (جھنکار کی آواز کانوں تک پہنچ جائے اور) ان کا پوشیدہ زیور معلوم ہو جائے۔''[1]

یعنی عورت اس انداز سے نہ چلے کہ معلوم ہو کہ وہ پازیب وغیرہ پہنے ہوئے ہے جس سے وہ اپنے خاوند کے لیے آراستہ ہوتی ہے۔ جب عورت کو زمین پر شدت سے پاؤں مارنے سے منع کر دیا گیا، مبادا غیر محرم مرد اس کے زیور کی جھنکار ہی سے فتنے میں پڑ جائیں تو چہرہ کھلا رکھنا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟

غور فرمایئے! فتنے میں پڑنے اور بہک جانے کا امکان کہاں زیادہ ہے۔ کیا اس صورت میں کہ ایک آدمی کسی عورت کے پاؤں میں پڑی پازیب کی جھنکار سنتا ہے اسے معلوم نہیں کہ وہ عورت جوان ہے یا عمر رسیدہ، حسین وجمیل ہے یا بدصورت یا اس صورت میں کہ ایک مرد کسی دوشیزہ کا کھلا چہرہ دیکھے جو حسن وزیبائی سے بھرپور ہو اور مشاطگی نے اس کے فتنے کو دو چند کر دیا ہو کہ ہر دیکھنے والا دیکھتا ہی رہ جائے؟ ہر باشعور انسان بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ دونوں میں سے کونسی زینت زیادہ فتنے کا باعث اور مستور ومخفی رہنے کی زیادہ حقدار ہے۔

دوسری دلیل:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

① النور 31:24

﴿وَٱلْقَوَٰعِدُ مِنَ ٱلنِّسَآءِ ٱلَّٰتِى لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَن يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَٰتٍۭ بِزِينَةٍ ۖ وَأَن يَسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ۗ وَٱللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٦٠﴾﴾

''اور بڑی عمر کی عورتیں جن کو نکاح کی توقع نہیں رہی، وہ اگر چادر اتار دیں تو ان پر کچھ گناہ نہیں، بشرطیکہ اپنی زینت کا مظاہرہ نہ کرتی پھریں۔ اور اگر اس سے بھی بچیں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔''[1]

اس آیت کریمہ سے پردے کے واجب ہونے پر وجہ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان بوڑھی عورتوں سے گناہ کی نفی کی ہے جو سن رسیدہ ہونے کے سبب نکاح کی امید نہیں رکھتیں، اس لیے کہ بوڑھی ہونے کی وجہ سے مردوں کو ان کے ساتھ نکاح میں کوئی رغبت نہیں ہوتی لیکن اس عمر میں بھی چادر اتار رکھنے پر گناہ نہ ہونا اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اس سے ان کا مقصد زیب و زینت کی نمائش نہ ہو۔ چادر اتار دینے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ وہ کپڑے اتار کر بالکل برہنہ ہو جائیں بلکہ اس سے صرف وہ کپڑے مراد ہیں جو عام لباس کے اوپر اس لیے اوڑھے جاتے ہیں کہ جسم کے وہ حصے جو عام لباس سے عموماً باہر رہتے ہیں، جیسے چہرہ اور ہاتھ، چھپ جائیں، لہٰذا ان بوڑھی عورتوں کو جنھیں کپڑے اتارنے کی رخصت دی گئی ہے اس سے مراد مذکورہ اضافی کپڑے (چادریں، برقعے وغیرہ) ہیں جو پورے جسم کو ڈھانپتے ہیں۔ اس حکم کی عمر رسیدہ خواتین کے ساتھ تخصیصی دلیل یہ ہے کہ جوان اور نکاح کی عمر والی عورتوں کا حکم ان سے مختلف ہے کیونکہ اگر سب عورتوں کے لیے اضافی کپڑے اتار دینے اور صرف عام لباس پہننے کی اجازت ہوتی تو سن رسیدہ و نکاح کی عمر سے گزری ہوئی عورتوں کا بالخصوص ذکر کرنے کا کوئی مقصد نہیں رہ جاتا۔

---

[1] النور 24:60

مذکورہ آیت کریمہ کے الفاظ ﴿غَيْرَ مُتَبَرِّجَـٰتٍۭ بِزِينَةٍ ۖ﴾ ''بشرطیکہ یہ بوڑھی عورتیں اپنی زینت کا مظاہرہ نہ کرتی پھریں'' اس بات کی ایک اور دلیل ہے کہ نکاح کے قابل، جوان عورتوں پر پردہ فرض ہے چونکہ عام طور پر جب وہ اپنا چہرہ کھلا رکھتی ہیں تو اس کا مقصد زینت کی نمائش اور حسن و جمال کا مظاہرہ کرنا ہوتا ہے۔ ان کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ مرد ان کی طرف دیکھیں اور ان کے حسن و جمال کی مدح وتوصیف کریں۔ اس قماش کی عورتوں میں نیک نیت شاذ و نادر ہی ہوتی ہیں اور شاذ و نادر صورتوں کو عام قوانین کی بنیاد نہیں بنایا جا سکتا۔

تیسری دلیل

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ قُل لِّأَزْوَٰجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ ٱلْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَـٰبِيبِهِنَّ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰٓ أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٥٩﴾﴾

''اے پیغمبر (ﷺ)! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ باہر نکلا کریں تو اپنے اوپر چادر لٹکا لیا کریں۔ یہ امر ان کے لیے موجب شناخت ہوگا تو کوئی ان کو ایذا نہ دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''[1]

ترجمان القرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورتوں کو حکم دیا ہے کہ جب وہ کسی کام کے لیے اپنے گھروں سے نکلیں تو سر کے اوپر سے اپنی چادر لٹکا کر اپنے چہروں کو ڈھانپ لیا کریں اور صرف ایک آنکھ کی جگہ کھلی رکھیں۔ صحابی کی تفسیر حجت ہے بلکہ بعض علماء کے نزدیک مرفوع حدیث کے حکم میں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول میں مذکور ایک آنکھ کھلی رکھنے کی رخصت بھی راستہ دیکھنے کی ضرورت کے پیش نظر دی گئی ہے، لہٰذا جہاں راستہ دیکھنے کی ضرورت نہ ہوگی وہاں ایک آنکھ سے بھی پردہ ہٹانے کی کوئی وجہ نہیں۔

---

[1] الأحزاب 33:59

اور ''جلباب'' اس چادر کو کہتے ہیں جو دوپٹے کے اوپر سے عبا (گاؤن) کی طرح اوڑھی یا پہنی جائے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو انصاری خواتین گھروں سے نکلتے وقت اس سکون واطمینان سے چلتیں گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں اور انھوں نے سیاہ رنگ کی چادریں لپیٹ رکھی ہوتیں۔

عبیدۃ السلمانی رحمہ اللہ (تلمیذ حضرت علی رضی اللہ عنہ) کا بیان ہے کہ مسلمان عورتیں سروں کے اوپر سے چادریں اس طرح اوڑھا کرتی تھیں کہ آنکھوں کے سوا کچھ ظاہر نہ ہوتا اور وہ بھی اس لیے کہ راستہ دیکھ سکیں۔[1]

چوتھی دلیل

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَّا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِي ءَابَآئِهِنَّ وَلَآ أَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ إِخْوَٰنِهِنَّ وَلَآ أَبْنَآءِ إِخْوَٰنِهِنَّ وَلَآ أَبْنَآءِ أَخَوَٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ أَيْمَٰنُهُنَّ ۗ وَٱتَّقِينَ ٱللَّهَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ شَهِيدًا ﴿٥٥﴾﴾

''عورتوں پر اپنے باپوں سے (پردہ نہ کرنے میں) کچھ گناہ نہیں اور نہ اپنے بیٹوں سے اور نہ اپنے بھائیوں سے اور نہ اپنے بھتیجوں سے اور نہ اپنے بھانجوں سے نہ اپنی عورتوں سے اور نہ اپنے غلاموں سے۔ اور اے عورتو! اللہ سے ڈرتی رہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے۔''[2]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب عورتوں کو غیر محرم مردوں سے پردہ کرنے کا حکم دیا تو یہ بھی بیان فرما دیا کہ فلاں فلاں قریبی رشتہ داروں سے پردہ واجب نہیں

---

① تفسیر ابنِ کثیر، تفسیر سورۃ الأحزاب، آیت: 59

② الأحزاب 33:55

ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ ءَابَآئِهِنَّ أَوْ ءَابَآءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَآئِهِنَّ أَوْ أَبْنَآءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَٰنِهِنَّ أَوْ بَنِىٓ إِخْوَٰنِهِنَّ أَوْ بَنِىٓ أَخَوَٰتِهِنَّ أَوْ نِسَآئِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَـٰنُهُنَّ أَوِ ٱلتَّـٰبِعِينَ غَيْرِ أُو۟لِى ٱلْإِرْبَةِ مِنَ ٱلرِّجَالِ أَوِ ٱلطِّفْلِ ٱلَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا۟ عَلَىٰ عَوْرَٰتِ ٱلنِّسَآءِ﴾

''عورتیں اپنی زینت ظاہر نہ کریں سوائے اپنے خاوندوں کے یا اپنے والد کے یا اپنے خسر کے یا اپنے لڑکوں کے یا اپنے خاوند کے لڑکوں کے یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے یا اپنی عورتوں کے یا اپنے دائیں ہاتھ کی ملکیت (کنیزوں) کے یا ایسے نوکر چاکر مردوں کے جو شہوت والے نہ ہوں یا ایسے بچوں کے جو عورتوں کے پردے کی باتوں سے مطلع نہ ہوں۔''[1]

قرآن حکیم میں سے یہ چار دلائل ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ غیر محرم مردوں سے عورت کو پردہ کرنا واجب ہے اور جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے صرف پہلی آیت اس مسئلہ پر پانچ وجوہ سے دلالت کرتی ہے۔

سنت مطہرہ سے چند دلائل

اب سنت نبوی سے چہرے کا پردہ واجب ہونے کے چند دلائل ذکر کیے جاتے ہیں:

1. رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

«إِذَا خَطَبَ أَحَدُكُمُ الْمَرْأَةَ فَإِنِ اسْتَطَاعَ أَنْ يَنْظُرَ مِنْهَا إِلٰى مَا

---

[1] النور 31:24

يَدْعُوهُ إِلٰى نِكَاحِهَا فَلْيَفْعَلْ»

''جب کوئی آدمی کسی عورت کو نکاح کا پیغام بھیجے تو اگر اس کے لیے عورت کا داعیۂ نکاح (حسن و جمال اور قد کاٹھ وغیرہ) دیکھنا ممکن ہو تو دیکھ لے۔''[1]

وجہ استدلال

وجہِ استدلال اس حدیث میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خاطب (پیغامِ نکاح دینے والے) سے گناہ کا مرتفع ہونا اس حالت کے ساتھ مشروط کیا ہے کہ وہ خِطبہ (پیغامِ نکاح) کے لیے دیکھ رہا ہو۔ پس ثابت ہوا کہ اس مقصد کے بغیر دیکھنے والا گناہ گار ہے۔ اسی طرح اگر خاطب بھی خِطبہ کے لیے نہیں بلکہ صرف لطف اندوز ہونے کے لیے دیکھ رہا ہے تو وہ بھی گناہ گار ہوگا۔

اگر یہ کہا جائے کہ اس حدیث میں دیکھی جانے والی چیز کی تخصیص نہیں، لہٰذا سینہ، چھاتی اور گردن وغیرہ کا دیکھنا بھی مراد ہو سکتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر شخص بخوبی جانتا ہے کہ جمال پسند خاطب کا مقصود چہرے کے جمال کا جائزہ لینا ہوتا ہے، باقی اعضاء کا حسن تو اس کے تابع ہے، اس لیے عورت کے انتخاب میں ظاہری حسن و جمال کو ترجیح دینے والا خاطب چہرہ ہی دیکھے گا۔

② جب رسولِ اکرم ﷺ نے عورتوں کے متعلق یہ حکم دیا کہ وہ بھی عید گاہ کو جائیں تو وہ کہنے لگیں: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم میں سے بعض کے پاس چادر نہیں ہوتی۔ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا»

---

[1] مسند أحمد: 334/3

''جس کے پاس اپنی چادر نہ ہو تو اسے کوئی دوسری بہن چادر دے دے۔''[1]

یہ حدیث واضح طور پر بتا رہی ہے کہ صحابیات میں چادر کے بغیر باہر نکلنے کا معمول نہ تھا بلکہ چادر پاس نہ ہونے کی صورت میں باہر نکلنے کو وہ ممکن ہی نہیں سمجھتی تھیں۔ اسی لیے رسولِ اکرم ﷺ نے انھیں نماز عید کے لیے عیدگاہ جانے کا حکم دیا تو انھوں نے اس امر، یعنی چادر نہ ہونے کا عذر کیا۔ اس پر آپ ﷺ نے وضاحت فرمائی کہ یہ مشکل اس طرح حل ہوسکتی ہے کہ ایسی عورت کو کوئی دوسری مسلمان بہن اپنی چادر مستعار دے دے۔

گویا رسولِ اکرم ﷺ نے عورتوں کو یہ اجازت نہیں دی کہ وہ چادر اوڑھے بغیر عیدگاہ تک بھی جائیں، حالانکہ وہاں جانے کا حکم مرد و عورت سب کو ہے۔ جب ایک ایسے کام کے لیے جس کا شریعت نے حکم دیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو چادر اوڑھے بغیر باہر نکلنے کی اجازت نہیں دی تو ایسے امور کے لیے بغیر چادر اوڑھے گھر سے باہر آنے کی اجازت کیسے دی جاسکتی ہے جن کا شریعت میں حکم دیا گیا ہے نہ ان کی کوئی ضرورت ہے، بالخصوص جب مقصد صرف بازاروں میں گھومنا پھرنا، مردوں کے ساتھ میل جول اور تماش بینی ہو جس میں کوئی فائدہ نہیں۔

علاوہ ازیں چادر اوڑھنے کا حکم بجائے خود اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کا مکمل باپردہ رہنا ضروری ہے۔ واللہ أعلم۔

③ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

«كُنَّ نِسَاءُ الْمُؤْمِنَاتِ يَشْهَدْنَ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ صَلٰوةَ الْفَجْرِ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوطِهِنَّ ثُمَّ يَنْقَلِبْنَ إِلٰى بُيُوتِهِنَّ حِينَ يَقْضِينَ الصَّلٰوةَ لَا يَعْرِفُهُنَّ أَحَدٌ مِنَ الْغَلَسِ»

[1] صحیح البخاری، الصلاۃ، باب وجوب الصلاۃ فی الثیاب، حدیث: 351

”مومن عورتیں رسول اکرم ﷺ کے ساتھ فجر کی نماز ادا کرنے کے لیے چادروں میں لپٹی ہوئی آتیں۔ پھر نماز کے بعد وہ اپنے گھروں کو لوٹتیں تو اندھیرے کے سبب انھیں کوئی پہچان نہ سکتا۔“[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مزید فرمایا:

”عورتوں کے جو اطوار ہم نے دیکھے ہیں اگر رسول اللہ ﷺ دیکھ لیتے تو انھیں مسجد میں آنے سے اسی طرح منع کر دیتے جس طرح بنی اسرائیل نے اپنی عورتوں کو منع کر دیا تھا۔“[2]

تقریباً اسی قسم کے الفاظ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہیں۔

یہ حدیث پردے کے وجوب پر دو طریقوں سے دلالت کرتی ہے:

پردہ کرنا اور اپنے جسم کو مکمل طور پر ڈھانپنا صحابیات رضی اللہ عنہن کے معمول میں سے تھا اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا زمانہ تمام زمانوں سے بہتر اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ منزلت رکھتا ہے۔ وہ اخلاق و آداب میں بلند، ایمان میں کامل اور اعمال میں زیادہ صالح تھے۔ وہی قابلِ اتباع نمونہ ہیں کہ خود ان کو اور ان کی بطریق احسن پیروی کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خوشنودی کی نوید سنائی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَٱلسَّـٰبِقُونَ ٱلْأَوَّلُونَ مِنَ ٱلْمُهَـٰجِرِينَ وَٱلْأَنصَارِ وَٱلَّذِينَ ٱتَّبَعُوهُم بِإِحْسَـٰنٍ رَّضِىَ ٱللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا۟ عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّـٰتٍ تَجْرِى تَحْتَهَا ٱلْأَنْهَـٰرُ خَـٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدًا ذَٰلِكَ ٱلْفَوْزُ ٱلْعَظِيمُ ﴿١٠٠﴾﴾

”جن لوگوں نے سبقت کی (سب سے پہلے ایمان لائے) مہاجرین میں سے بھی اور

---

[1] صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، باب وقت الفجر، حديث: 578

[2] صحيح البخاري، الأذان، باب انتظار النّاس قيام الإمام العالم، حديث: 869 وصحيح مسلم، الصلاة، باب خروج النساء إلى المساجد، حديث: 445

انصار میں سے بھی اور جنھوں نے نیکی اور اخلاص کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہے اور وہ اللہ تعالیٰ پر خوش ہیں اور اس نے ان کے لیے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔"[1]

جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مبارک عہد میں عورتوں کا طریقہ یہ تھا (جو اوپر ذکر کیا گیا) تو ہمارے لیے کس طرح مستحسن ہوسکتا ہے کہ اس طریقے سے ہٹ جائیں جس پر چلنے ہی سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا حصول ممکن ہے۔ خصوصا جب کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے:

﴿وَمَن يُشَاقِقِ ٱلرَّسُولَ مِنۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ ٱلۡهُدَىٰ وَيَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيلِ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ نُوَلِّهِۦ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصۡلِهِۦ جَهَنَّمَۖ وَسَآءَتۡ مَصِيرًا ﴿١١٥﴾﴾

"اور جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر کی مخالفت کرے گا اور مومنوں کے راستے کے سوا اور راستے پر چلے گا تو جدھر وہ چلتا ہے ہم اسے ادھر ہی چلنے دیں گے اور (قیامت کے دن) ہم اسے جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے۔"[2]

❁ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جن کا علم وفہم، اللہ کے بندوں کی خیر خواہی کا جذبہ اور دینی بصیرت تعارف کی محتاج نہیں، فرماتے ہیں:

"اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے وہ اعمال واطوار دیکھ لیتے جو ہم نے دیکھے ہیں تو انھیں مساجد میں آنے سے قطعی طور پر منع کر دیتے۔"[3]

---

[1] التوبة 9: 100

[2] النساء 4: 115

[3] یہ قول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہے جس طرح گزشتہ صفحات میں اس کی تخریج کر دی گئی ہے۔ جہاں تک ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کا تعلق ہے تو بایں الفاظ ہمیں نہیں مل سکا، البتہ مصنف ابن ابی شیبہ (158/2) میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بعض ایسے اقوال منقول ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عورت کے لیے اپنے گھر میں نماز پڑھنے کو زیادہ بہتر سمجھتے تھے۔ (عثمان منیب)

اور یہ اس زمانے میں ہوا جس کی فضیلت احادیث میں وارد ہے، یعنی عہدِ نبوی کے مقابلے میں عورتوں کی حالت اس حد تک بدل گئی کہ انھیں مساجد میں آنے سے روک دینے کا تقاضا کر رہی تھی، تو ہمارے زمانے میں بے پردہ نکلنے کی اجازت کیوں کر دی جا سکتی ہے جبکہ عصرِ نبوی کو گزرے تیرہ صدیاں بیت چکی ہیں۔ اخلاقی بے راہ روی عام ہو چکی ہے۔ شرم و حیا تقریباً رخصت ہو چکے ہیں اور لوگوں کے دلوں میں دینی حمیت کمزور پڑ چکی ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور فقیہ امت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فہم بھی اسی نتیجے پر پہنچا جس کی شہادت شریعتِ کاملہ کی صریح نصوص دے رہی ہیں، یعنی اگر کسی کام کے نتیجہ میں ایسے امور سامنے آئیں جنھیں شریعت حرام قرار دیتی ہے تو وہ کام بھی شرعاً حرام ہوگا، خواہ بظاہر جائز ہی نظر آتا ہو۔

④ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ازار بند کے ٹخنوں سے نیچے لٹکانے کی حرمت بیان کی تو اس پر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا: تو عورتیں اپنی چادریں کس حد تک لٹکائیں۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«تُرْخِي شِبْرًا، قَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ : إِذًا يَنْكَشِفَ عَنْهَا قَالَ : فَذِرَاعٌ لَا تَزِيدُ عَلَيْهِ»

''ایک بالشت بھر لٹکا لیں۔'' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اس طرح تو ان کے پاؤں نظر آئیں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو ایک ہاتھ کے برابر لٹکا لیں اس سے زیادہ نہ لٹکائیں۔''[1]

مندرجہ بالا حدیث سے ثابت ہوا کہ عورت پر پاؤں ڈھانپنا فرض ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ یہ حکم تمام صحابیات رضی اللہ عنہن کو معلوم تھا اور بلاشبہ پاؤں میں، ہاتھوں اور چہرے کی

---

[1] سنن أبي داود، اللباس، باب في قدر الذيل، حديث : 4117

نسبت کم کشش پائی جاتی ہے۔ کم ترکشش والے مقام کے حکم کی تصریح خود بخود تنبیہ کر رہی ہے کہ اس سے زیادہ پرکشش اور اس حکم کے زیادہ حقدار مقامات کا کیا حکم ہونا چاہیے۔ یہ بات شرع متین کی حکمت کے منافی ہے کہ کم ترکشش اور قلیل تر فتنے کے باعث اعضاء کو ڈھانپنا فرض ہو لیکن زیادہ فتنے کے باعث اور پُرکشش اعضاء کو کھلا رکھنے کی اجازت دے دی جائے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت و شریعت میں اس قسم کا تضاد پایا جانا ناممکن ہے۔

⑤ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِذَا كَانَ لِإِحْدَاكُنَّ مُكَاتَبٌ فَكَانَ عِنْدَهُ مَا يُؤَدِّي فَلْتَحْتَجِبْ مِنْهُ»

''اگر کسی عورت کے مکاتب غلام کے پاس اس قدر مال ہو جس سے وہ معاہدے میں طے شدہ رقم ادا کر سکتا ہو تو اس عورت کو چاہیے کہ وہ اپنے اس غلام سے پردہ کرے۔''[1]

مذکورہ حدیث سے پردے کا واجب ہونا اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ مالکہ کے لیے اپنے غلام کے سامنے اس وقت تک چہرہ کھلا رکھنا جائز ہے جب تک وہ اس کی ملکیت میں ہو اور جب غلام پر اس کی ملکیت ختم ہو جائے تو اس پر واجب ہے کہ وہ اس سے پردہ کرے کیونکہ اب وہ غیر محرم ہو گیا ہے۔ ثابت ہوا کہ عورت کا غیر محرم مردوں سے پردہ کرنا واجب ہے۔

⑥ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں:

«كَانَ الرُّكْبَانُ يَمُرُّونَ بِنَا وَنَحْنُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ مُحْرِمَاتٌ فَإِذَا حَاذَوْا بِنَا سَدَلَتْ إِحْدَانَا جِلْبَابَهَا مِنْ رَأْسِهَا عَلَى وَجْهِهَا، فَإِذَا جَاوَزُونَا كَشَفْنَاهُ»

[1] سنن أبي داود، العتق، باب في المكاتب يؤدي بعض كتابته، حديث :3928 وضعفه الألباني

''جب ہم رسول اللہ ﷺ کی معیت میں احرام باندھے ہوئے ہوتیں تو اونٹ سوار قافلے ہمارے پاس سے گزرتے تھے ۔ وہ جس وقت سامنے ہوتے تو ہم اپنے سروں کے اوپر سے چادر چہرے پر لٹکا لیتیں۔ جب وہ آگے گزر جاتے تو ہم پھر سے چادر کو چہرہ پر سے ہٹا لیتیں۔'' [1]

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمانا کہ ''جب وہ (سوار) ہمارے سامنے ہوتے تو ہم اپنے چہروں پر چادریں ڈال لیتیں'' واضح دلیل ہے کہ عورت پر چہرہ ڈھانپنا واجب ہے۔ اس لیے کہ حالت احرام میں چہرہ کھلا رکھنے کا حکم ہے، لہٰذا اگر اس واجبی حکم کی بجا آوری میں کوئی زور دار شرعی رکاوٹ موجود نہ ہوتی تو چہرہ کھلا رکھنا ضروری تھا، خواہ لوگ پاس سے گزرتے رہیں۔

اس استدلال کی وضاحت اس طرح کی جا سکتی ہے کہ اکثر اہل علم کے نزدیک حالتِ احرام میں عورتوں پر چہرہ کھلا رکھنا واجب ہے۔ اور ایک واجب کو اس سے قوی تر واجب ادا کرنے کی خاطر ہی ترک کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے اگر غیر محرم مردوں سے پردہ کرنا اور چہرہ ڈھانپنا واجب نہ ہوتا تو احرام کی حالت میں اس کے کھلا رکھنے کا حکم جو واجب ہے ترک کرنا جائز نہ ہوتا جب کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہ میں حدیث ہے کہ حالت احرام میں عورت کے لیے نقاب ڈالنا اور دستانے پہننا جائز نہیں ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منجملہ دلائل میں سے ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے عہدِ مبارک میں حالت احرام کے سوا خواتین میں (چہرے کے پردے کے لیے) نقاب اور (ہاتھوں کے پردے کے لیے) دستانوں کا رواج عام تھا۔ اس کا تقاضا بھی یہی

---

[1] سنن أبي داود، المناسك، باب المحرمة تغطي وجهها، حديث : 1833، و سنن ابن ماجه، المناسك، باب المحرمة تسدل الثوب علىٰ وجهها، حديث : 2935و حسن إسناده الألباني في جلباب المرأة،ص: 107

ہے کہ چہرے اور ہاتھوں کا پردہ کرنا واجب ہو۔

سنت مطہرہ میں سے یہ چھ دلائل ہیں کہ عورت پر پردہ کرنا اور غیر محرم مردوں کی نظر سے چہرہ ڈھانپنا فرض ہے۔

قرآن میں سے مذکور چار دلائل بھی ان میں جمع کر لیں تو کتاب وسنت سے کل دس دلیلیں ہوئیں۔ تلك عشرة كاملة۔ و باللّٰہ التوفيق۔

قیاسِ صحیح کی رو سے چہرے کے پردے کا وجوب

اسلامی تعلیمات کے مطابق ہر مسلمان کو شرعی کاموں میں اجتہاد اور درست فقہی قیاس پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔ یعنی مصالح اور ان کے حصول کے ذرائع کو برقرار رکھنے کی ترغیب اور مفاسد اور ان کے وسائل کی مذمت اور ان سے اجتناب کرنے کی تلقین جیسے سنہری اصول پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔

چنانچہ ہر وہ کام جس میں خالصتاً مصلحت ہو یا اس کے نقصانات کی نسبت مصلحت کا پہلو روشن ہو تو اس کا حکم علی الترتیب پہلی صورت میں واجب اور دوسری صورت میں کم از کم مستحب ہوگا اور وہ کام جس میں صرف نقصان ہی نقصان ہو یا نقصان اس کی مصلحت سے زیادہ ہو تو اس کام کا حکم علی الترتیب حرام یا مکروہ ہوگا۔

اس قاعدے کی روشنی میں جب ہم غیر محرم مردوں کے سامنے عورت کا چہرہ بے پردہ رکھنے پر غور کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ یہ بے حجابی بے شمار مفاسد لیے ہوئے ہے۔ اگر بالفرض کوئی مصلحت ہے بھی تو اس سے پیدا ہونے والے شدید نقصانات کے بالمقابل یہ انتہائی بے معنی مصلحت ہے۔

باب 2

◆ عُریاں چہرے کے نقصانات

عورت کے چہرے کو بے پردہ رکھنے کے بڑے بڑے نقصانات مندرجہ ذیل ہیں:

فتنے میں پڑنا

عورت جب اپنے چہرے کو بے پردہ رکھتی ہے تو اپنے آپ کو فتنے میں ڈالتی ہے کیونکہ اسے ان چیزوں کا اہتمام والتزام کرنا پڑتا ہے جس سے اس کا چہرہ خوبصورت، جاذب نظر اور دلکش دکھائی دے۔ اس طرح وہ دوسروں کے لیے فتنے کا باعث بنتی ہے اور یہ شر و فساد کے بڑے اسباب میں سے ہے۔

شرم وحیا کا جاتے رہنا

اس عادتِ بد کی وجہ سے رفتہ رفتہ عورت سے شرم وحیا ختم ہوتی جاتی ہے جو ایمان کا جز اور فطرت کا لازمی تقاضا ہے۔ ایک زمانے میں عورت شرم وحیا میں ضرب المثل ہوتی تھی، مثلا کہا جاتا تھا:

أَحْيَا مِنَ الْعَذْرَآءِ فِي خِدْرِهَا

''فلاں تو پردہ نشین دوشیزہ سے بھی زیادہ شرمیلا ہے۔''

شرم وحیا کا جاتے رہنا نہ صرف یہ کہ عورت کے لیے دین وایمان کی غارت گری ہے بلکہ اس فطرت کے خلاف بغاوت بھی ہے جس پر اسے خالق کائنات نے پیدا کیا ہے۔

مردوں کا فتنے میں مبتلا ہونا

بے پردہ عورت سے مردوں کا فتنے میں پڑنا طبعی امر ہے، خصوصاً جبکہ وہ خوبصورت بھی ہو،

نیز ملنساری، خوش گفتاری یا ہنسی مذاق کا مظاہرہ کرے۔ ایسا بہت سی بے پردہ خواتین کے ساتھ ہو چکا ہے۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے:

نَظْرَةٌ فَسَلَامٌ فَكَلَامٌ فَمَوْعِدٌ فَلِقَاءٌ

''نگاہیں ملیں، سلام ہوا، بات چیت ہونے لگی، پھر قول وقرار ہوئے اور معاملہ باہم ملاقاتوں تک جا پہنچا۔''

شیطان انسانی جسم میں خون کی طرح رواں دواں ہے۔ بارہا ایسا ہوا کہ باہمی مذاق کے نتیجے میں کوئی مرد کسی عورت پر یا عورت کسی مرد پر فریفتہ ہوگئی جس سے ایسی خرابی پیدا ہوئی کہ اس سے بچاؤ کی کوئی تدبیر نہ بن آئی۔ اللہ تعالیٰ سب کو سلامت رکھے۔

مرد وعورت کا آزادانہ میل جول

چہرے کی بے پردگی سے عورتوں اور مردوں کا اختلاط عمل میں آتا ہے۔ جب عورت دیکھتی ہے کہ وہ بھی مردوں کی طرح چہرہ کھول کر بے پردہ گھوم پھر سکتی ہے تو آہستہ آہستہ اسے مردوں سے کھلم کھلا دھکم پیل کرنے میں بھی شرم وحیا محسوس نہیں ہوتی اور اس طرح کے میل جول میں بہت بڑا فتنہ اور وسیع فساد مضمر ہے۔

ایک دن رسولِ اکرم ﷺ مسجد سے باہر تشریف لائے۔ آپ نے عورتوں کو مردوں کے ساتھ راستے میں چلتے ہوئے دیکھا، تو عورتوں سے ارشاد فرمایا:

«اِسْتَأْخِرْنَ، فَإِنَّهُ لَيْسَ لَكُنَّ أَنْ تَحْقُقْنَ الطَّرِيقَ، عَلَيْكُنَّ بِحَافَّاتِ الطَّرِيقِ»

''ایک طرف ہٹ جاؤ۔ راستے کے درمیان چلنا تمھارا حق نہیں ہے۔ ایک طرف ہو کر

چلا کرو۔''[1]

رسول اکرم ﷺ کے اس فرمان کے بعد خواتین راستے کے ایک طرف ہو کر اس طرح چلتیں کہ بسا اوقات ان کی چادریں دیوار کو چھو رہی ہوتیں۔ اس حدیث کو ابن کثیر رحمہ اللہ نے

﴿قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا۟ مِنْ أَبْصَـٰرِهِمْ﴾[2]

کی تفسیر کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی غیر محرم مردوں سے عورتوں کے پردہ کرنے کے واجب ہونے کی تصریح کی ہے، چنانچہ وہ آیت:

﴿وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾[3]

کے تحت فرماتے ہیں کہ نماز میں عورت کا ظاہری زینت کو ظاہر کرنا جائز ہے علاوہ باطنی زینت کے، اور سلف صالحین کا زینت ظاہرہ میں اختلاف ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ان کے موافقین کے نزدیک ''زینت ظاہرہ'' سے مراد کپڑے ہیں جبکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور ان کے موافقین کے نزدیک ''زینت ظاہرہ'' سے مراد چہرے اور ہاتھ کی چیزیں ہیں جیسے انگوٹھی اور سرمہ ہے۔ ان دو مختلف اقوال کے لحاظ سے اجنبی عورت کی طرف دیکھنے میں فقہاء نے اختلاف کیا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ بغیر شہوت کے اجنبی عورت کے چہرے اور ہاتھوں کو دیکھنا جائز ہے، یہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب ہے اور ایک قول کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ کا بھی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ دیکھنا ناجائز ہے یہ امام احمد رحمہ اللہ کا (صحیح روایت کے مطابق) مذہب ہے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عورت کا ہر عضو ستر ہے حتیٰ

---

[1] سنن أبی داود، الأدب، باب فی مشي النساء مع الرجال، حدیث :5282

[2] النور 30:24

[3] النور 31:24

کہ اس کے ناخن بھی۔ اس کے بعد شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورت کی زینت کے دو درجے مقرر کیے ہیں:

① زینتِ ظاہرہ ② زینتِ غیر ظاہرہ

زینت ظاہرہ کو عورت اپنے شوہر اور محرم مردوں کے علاوہ دوسرے لوگوں کے سامنے بھی کھلا رکھ سکتی ہے۔ آیتِ حجاب نازل ہونے سے پہلے عورتیں چادر اوڑھے بغیر نکلتی تھیں۔ مردوں کی نظر ان کے ہاتھ اور چہرے پر پڑتی تھی۔ اس دور میں عورتوں کے لیے جائز تھا کہ چہرہ اور ہاتھ کھلا رکھیں اور مردوں کے لیے بھی ان کی طرف دیکھنا مباح تھا کیونکہ ان کا کھلا رکھنا جائز تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے آیتِ حجاب نازل فرمائی جس میں ارشاد فرمایا:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ قُل لِّأَزْوَٰجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ ٱلْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَـٰبِيبِهِنَّ ۚ﴾

''اے نبی! اپنی بیویوں اور صاحب زادیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں۔''[①]

تو عورتیں مکمل طور پر پردہ کرنے لگیں۔[②]

اس کے بعد شیخ الاسلام فرماتے ہیں: ''جلباب چادر کا نام ہے۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اسے ردا (اوڑھنی) اور عام لوگ اسے ازار (تہہ بند) کہتے ہیں۔ اس سے مراد بڑا تہہ بند ہے جو عورت کے سر سمیت پورے جسم کو ڈھانپ لے۔ جب عورتوں کو چادر اوڑھنے کا حکم اس لیے ہوا کہ وہ پہچانی نہ جا سکیں تو یہ مقصد چہرہ ڈھانپنے یا اس پر نقاب وغیرہ ڈالنے ہی سے حاصل ہوگا، لہٰذا چہرہ اور ہاتھ اس زینت میں سے ہوں گے جس

---

① الأحزاب: 59/33

② مجموع الفتاوی: 110/22

کے بارے میں عورت کو حکم ہے کہ یہ غیر محرم مردوں کے سامنے ظاہر نہیں ہونی چاہیے۔ اس طرح ظاہر کپڑوں کے سوا کوئی زینت باقی نہ رہی جس کا دیکھنا غیر محرم مردوں کے لیے مباح ہو۔

اس تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے آخری حکم ذکر کیا ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے (نسخ سے) پہلے کا حکم ذکر کیا ہے۔

آخر میں شیخ الاسلام فرماتے ہیں:

''نسخ سے پہلے کے حکم کے برعکس اب عورت کے لیے چہرہ، ہاتھ اور پاؤں غیر محرم مردوں کے سامنے ظاہر کرنا جائز نہیں ہے بلکہ کپڑوں کے سوا کوئی چیز بھی ظاہر نہیں کر سکتی۔''[1]

اسی جز میں صفحہ 117 اور صفحہ 118 پر فرماتے ہیں:

''عورت کو چہرہ، ہاتھ اور پاؤں صرف غیر محرم مردوں کے سامنے ظاہر کرنے سے منع کیا گیا ہے ورنہ عورتوں اور محرم مردوں کے سامنے ان اعضاء کے ظاہر کرنے کی اجازت ہے۔''

ایک اور مقام پر فرمایا: ''اس مسئلہ میں بنیادی بات یہ سمجھ لیجیے کہ شارع کے دو مقاصد ہیں: اول تو یہ کہ مرد و عورت میں امتیاز رہے، دوم یہ کہ عورتیں حجاب میں رہیں''۔[2]

یہ تو تھا اس مسئلہ میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا نقطۂ نظر۔ ان کے علاوہ دوسرے حنبلی فقہاء میں سے متاخرین کے چند اقوال نقل کرنے پر اکتفا کروں گا۔

''المنتهى'' میں ہے کہ نامرد، خواجہ سرا اور ہیجڑے کے لیے بھی عورت کی طرف دیکھنا

---

[1] مجموعه الفتاوى لابن تيمية: 22/114

[2] مجموعه الفتاوى لابن تيمية: 22/117-118

حرام ہے۔''

''الاقناع'' میں لکھا ہے ''نامرد ہیجڑے کا عورت کی طرف دیکھنا حرام ہے۔'' اسی کتاب میں ایک اور مقام پر ہے: ''آزاد غیر محرم عورت کی طرف قصداً دیکھنا، نیز اس کے بالوں کو دیکھنا حرام ہے۔''

''الدلیل'' کے متن میں ہے: ''دیکھنا آٹھ طرح سے ہوتا ہے۔ پہلی قسم یہ ہے کہ بالغ مرد (خواہ اس کا عضو کٹا ہوا ہو) آزاد غیر محرم عورت کی طرف بلا ضرورت دیکھے۔ اس صورت میں عورت کے کسی بھی عضو کو بلا شرعی ضرورت کے دیکھنا حرام ہے حتیٰ کہ اس کے (سر پر لگے) مصنوعی بالوں کی طرف نگاہ کرنا بھی جائز نہیں ہے۔'' شافعی فقہاء کا موقف یہ ہے کہ بالغ آدمی کی نگاہ بطریق شہوت ہو یا اس کے بہک جانے کا اندیشہ ہو تو بلا اختلاف قطعی طور پر حرام ہے۔ اگر بطریق شہوت نہ ہو اور فتنے کا اندیشہ بھی نہ ہو تو ان کے ہاں دو قول ہیں۔ مؤلف ''شرح الاقناع'' نے انھیں نقل کرنے کے بعد کہا ہے: ''صحیح بات یہ ہے کہ اس قسم کی نگاہ بھی حرام ہے جیسا کہ فقۂ شافعی کی مشہور کتاب ''منہاج'' میں ہے۔'' اس کی یہ توجیہ بیان کی ہے کہ عورتوں کا بے پردہ کھلے چہرے کے ساتھ باہر نکلنا تمام اہل اسلام کے نزدیک بالاتفاق ممنوع ہے، نیز یہ کہ نگاہ فتنے کا مقام اور شہوت کی محرک ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ﴾

''مومنوں سے کہہ دو کہ نگاہ نیچی رکھا کریں۔''[1]

احکام شریعت میں ملحوظ حکمتوں کے شایانِ شان امر یہی ہے کہ فتنے کی طرف کھلنے والا دروازہ بند کیا جائے اور حالات کے تفاوت کو بہانہ بنانے سے گریز کیا جائے۔

---

[1] النور 24:31

''نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار'' میں ہے: ''عورتوں کا بے پردہ کھلے چہرے کے ساتھ باہر نکلنا بالخصوص اس زمانے میں کہ جہاں بدقماش لوگوں کی کثرت ہو، باتفاق اہلِ اسلام حرام ہے۔''

باب 3

◆ چہرے کے پردے کو واجب نہ سمجھنے والوں کے دلائل اور ان کا جواب

جہاں تک مجھے علم ہے، غیر محرم عورتوں کے چہرے اور ہاتھوں کی طرف دیکھنے کو جائز قرار دینے والوں کے پاس کتاب وسنت سے صرف مندرجہ ذیل دلائل ہیں:

① فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾

''اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر جو اس میں سے ظاہر ہو۔''[1]

کیونکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ ﴿إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ سے مراد عورت کا چہرہ، اس کے ہاتھ اور انگوٹھی ہے۔ یہ قول امام اعمش نے سعید بن جبیر کے واسطے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ اور جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ صحابی کی تفسیر حجت ہے۔

② ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما باریک کپڑے پہنے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو آپ نے چہرہ مبارک دوسری طرف پھیر لیا، نیز چہرے اور ہاتھوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

«يَا أَسْمَاءُ! إِنَّ الْمَرْأَةَ إِذَا بَلَغَتِ الْمَحِيضَ لَمْ يَصْلُحْ لَهَا أَنْ يُرَى مِنْهَا إِلاَّ هٰذَا وَهٰذَا، وَأَشَارَ إِلٰى وَجْهِهِ وَكَفَّيْهِ»

''اے اسماء! جب عورت بالغ ہو جائے تو جائز نہیں کہ اس کے چہرے اور ہاتھوں کے سوا کچھ نظر آئے۔''[2]

---

① النور 31:24

② سنن أبي داود، اللباس، باب فيما تبدى المرأة من زينتها، حديث: 4104

③ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں:

«كَانَ الْفَضْلُ رَدِيفَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَجَاءَتِ امْرَأَةٌ مِنْ خَثْعَمَ فَجَعَلَ الْفَضْلُ يَنْظُرُ إِلَيْهَا وَتَنْظُرُ إِلَيْهِ وَجَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ يَصْرِفُ وَجْهَ الْفَضْلِ إِلَى الشِّقِّ الْآخَرِ»

''(حجۃ الوداع میں ان کے بھائی) فضل بن عباس رضی اللہ عنہما نبیٔ اکرم ﷺ کے پیچھے سواری پر بیٹھے تھے کہ اسی دوران میں خثعم قبیلے کی ایک عورت آئی۔ فضل بن عباس اس کی طرف اور وہ فضل کی طرف دیکھنے لگی تو رسول اللہ ﷺ نے فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کا چہرہ دوسری جانب کر دیا۔''[1]

ان حضرات کی رائے میں یہ اس امر کی دلیل ہے کہ وہ عورت اپنا چہرہ کھلا رکھے ہوئے تھی۔

④ حضرت جابر رضی اللہ عنہ، نبیٔ اکرم ﷺ کے نماز عید پڑھانے کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے نماز پڑھانے کے بعد لوگوں سے خطاب فرمایا اور وعظ ونصیحت کی، پھر چل کر عورتوں کے قریب تشریف لے گئے۔ ان سے بھی خطاب کیا اور وعظ ونصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

«تَصَدَّقْنَ، فَإِنَّ أَكْثَرَكُنَّ حَطَبُ جَهَنَّمَ، فَقَالَتِ امْرَأَةٌ مِنْ سَفِلَةِ النِّسَاءِ سَفْعَاءُ الْخَدَّيْنِ......»

''اے عورتوں کی جماعت! صدقہ کیا کرو کیونکہ جہنم کا زیادہ تر ایندھن تم (عورتیں) ہی ہو۔ اس پر ایک کم درجے کی عورت جس کے رخسار سیاہی مائل تھے، نے کہا......''[2]

---

[1] صحيح البخاري، الحج، باب وجوب الحج وفضله، حديث : 1513

[2] مسند أحمد : 318/3، و سنن النسائي، صلاة العيدين ، باب قيام ......،حديث:1576

اگر اس عورت کا چہرہ کھلا نہ ہوتا تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو پتہ نہ چلتا کہ اس عورت کے رخسار سیاہی مائل ہیں۔

میری دانست میں یہی وہ دلائل ہیں جن سے غیر محرم مردوں کے سامنے چہرہ کھلا رکھنے کے جواز پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔

مذکورہ بالا دلائل کا جواب

یہ دلائل اس درجے کے نہیں ہیں کہ ان کے پیش نظر گزشتہ صفحات میں مذکور دلائل سے صرف نظر کیا جا سکے جو چہرے کا پردہ واجب ہونے پر واضح دلالت کرتے ہیں۔ پردے کے وجوب کے دلائل درج ذیل وجوہ کی بنا پر راجح ہیں۔

❁ جن دلائل میں چہرہ ڈھانپنے کا ذکر ہے ان میں ایک مستقل اور نیا حکم ہے۔ چہرہ کھلا رکھنے کے جواز کے دلائل اپنے اندر کوئی حکم نہیں رکھتے (کیونکہ یہ تو پردے کے احکام نازل ہونے سے پہلے کا عام معمول تھا۔) علمائے اصول کے ہاں یہ ضابطہ مشہور و معروف ہے کہ عام حالت کے خلاف کوئی دلیل ہو تو اسے ترجیح دی جاتی ہے کیونکہ عام حالت کے خلاف جب تک دلیل نہ ملے (اس پر کوئی حکم نہیں لگایا جاتا) اسے برقرار رکھا جاتا ہے اور جب نئے حکم کی کوئی دلیل مل جائے تو اصل اور پہلی حالت کو برقرار رکھنے کے بجائے نئے حکم کے ذریعے سے اس میں تبدیلی کر دی جاتی ہے۔

اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ جو شخص نئے حکم (چہرہ ڈھانپنے) کی دلیل دیتا ہے اس کے پاس ایک نئی چیز کا علم ہے، وہ یہ کہ پہلی اور عمومی حالت بدل چکی ہے اور چہرہ ڈھانپنا فرض ہو گیا ہے۔ جب کہ دوسرے فریق کو یہ دلائل نہیں مل سکے، لہٰذا مثبت کو نافی پر اس کے زائد علم کی وجہ سے ترجیح حاصل ہو گی۔

یہ ان حضرات کے پیش کردہ دلائل کا اجمالی جواب ہے۔ بالفرض اگر تسلیم کرلیا جائے کہ فریقین کے دلائل ثبوت اور دلالت کے اعتبار سے برابر ہیں، پھر بھی اس مسلمہ اصولی قاعدے کے پیش نظر چہرہ ڈھانپنے کی فرضیت کے دلائل مقدم ہوں گے۔

❁ جب ہم چہرہ کھلا رکھنے کے جواز کے دلائل پر غور کرتے ہیں تو یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ یہ دلائل چہرہ کھلا رکھنے کی ممانعت کے دلائل کے ہم پلہ نہیں ہیں جیسا کہ آئندہ صفحات میں ہر ایک دلیل کے الگ الگ جواب سے واضح ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی تفسیر کے تین جواب ہیں:

① ہوسکتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پردے کی آیت نازل ہونے سے پہلے کی حالت ذکر کی ہو جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے کلام میں ابھی گزرا ہے۔

② یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کا مقصد اس زینت کا بیان ہو جس کا ظاہر کرنا منع ہے جیسا کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔ ان دونوں باتوں کی تائید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَٰجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ ٱلْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَٰبِيبِهِنَّ﴾

''اے نبی! اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں۔''[1]

کے متعلق منقول تفسیر سے ہوتی ہے، چنانچہ گزشتہ صفحات میں قرآن حکیم کی آیات سے پردے کے دلائل کے ضمن میں اس کا ذکر گزر چکا ہے۔

③ اگر ہم مذکورہ بالا دونوں احتمالات تسلیم نہ کریں تو تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن

---

[1] الأحزاب 33:59

عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر صرف اس وقت حجت ہو سکتی ہے جب کسی دوسرے صحابی کا قول اس کے مقابل نہ ہو۔ بصورت دیگر اس قول پر عمل کیا جائے گا جسے دوسرے دلائل کی بدولت ترجیح حاصل ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کے بالمقابل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے جس میں انھوں نے ﴿إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ "سوائے اس زینت کے جو از خود ظاہر ہو جائے" کی تفسیر چادر اور دوسرے ایسے کپڑوں وغیرہ سے کی ہے جو بہر حال ظاہر ہوتے ہیں اور ان کے ڈھانپنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔[1]

اس صورت میں ضروری ہے کہ ان دونوں اصحاب رضی اللہ عنہما کی تفسیر میں سے ایک کو دلائل کی رو سے ترجیح دی جائے اور جو راجح قرار پائے، اس پر عمل کیا جائے۔

❁ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث دو وجوہ کی بنا پر ضعیف ہے:

① خالد بن دریک نے جس راوی کے واسطے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت بیان کی ہے، اس کا ذکر نہیں کیا ہے، لہٰذا اس کی سند منقطع ہے جیسا کہ خود امام ابوداود نے اس کی نشاندہی کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ "خالد بن دریک نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے براہ راست نہیں سنا۔" اس حدیث کے ضعیف ہونے کی یہی وجہ ابو حاتم رازی نے بھی بیان کی ہے۔

② اس حدیث کی سند میں سعید بن بشیر البصری نزیل دمشق نامی راوی ہے۔ ابن مہدی نے اسے ناقابل اعتماد سمجھ کر ترک کیا۔ امام احمد، ابن معین، ابن مدینی اور نسائی رحمہم اللہ جیسے اساطین علم حدیث نے اسے ضعیف قرار دیا ہے، لہٰذا یہ حدیث ضعیف ہے اور متذکرہ صدر صحیح احادیث کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

علاوہ ازیں حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کی عمر ہجرت کے وقت ستائیس سال تھی۔ یہ

[1] تفسیر ابنِ کثیر، تفسیر سورة النور، آیت : 31

ناممکن ہے کہ اس بڑی عمر میں وہ نبی ﷺ کے سامنے ایسے کپڑے پہن کر جائیں جن سے ان کے ہاتھوں اور چہرے کے علاوہ بدن کے اوصاف ظاہر ہو رہے ہوں۔ بالفرض اگر حدیث صحیح بھی ہو تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ واقعہ پردے کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے اور پردہ واجب کرنے والی نصوص نے اس حکم کو بدل دیا ہے، لہٰذا وہ ان پر مقدم ہوں گی۔ واللہ أعلم۔

❁ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ حدیث سے استدلال کا جواب یہ ہے کہ اس میں غیر محرم عورت کے چہرے کی طرف دیکھنے کے جواز کی کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ نے حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کے اس فعل پر سکوت نہیں فرمایا بلکہ اس کا چہرہ دوسری جانب پھیر دیا، اسی لیے امام نووی رحمہ اللہ نے صحیح مسلم کی شرح میں ذکر کیا ہے کہ اس حدیث سے ثابت ہونے والے مسائل میں سے یہ بھی ہے کہ ''غیر محرم عورت کی طرف دیکھنا حرام ہے۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اس حدیث کے فوائد میں یہ بھی ذکر کیا ہے: ''اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غیر محرم عورتوں کی طرف دیکھنا شرعاً ممنوع اور نگاہ نیچی کرنا واجب ہے۔'' قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''بعض کا خیال ہے کہ نظر نیچی رکھنا صرف اس صورت میں واجب ہے کہ جب فتنے کا اندیشہ ہو۔ (اس لیے کہ آپ ﷺ نے فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کو منع نہیں کیا) لیکن میرے نزدیک نبی ﷺ کا یہ عمل، بعض روایات کے مطابق، کہ آپ نے فضل کا چہرہ ڈھانپ دیا، زبانی منع کرنے سے کہیں زیادہ تاکید کا حامل ہے۔''

اگر کوئی یہ کہے کہ آپ ﷺ نے اس عورت کو پردہ کرنے کا حکم کیوں نہیں دیا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ حالت احرام میں تھی اور احرام میں عورت کے بارے میں شرعی حکم یہی ہے کہ جب غیر محرموں میں سے کوئی اسے نہ دیکھ رہا ہو تو چہرہ کھلا رکھے۔ یہ بھی امکان ہے کہ نبی ﷺ نے بعد میں اسے یہ حکم بھی دیا ہو۔ کیونکہ راوی کا اس بات کا ذکر نہ کرنا اس امر کی

نہیں ہے کہ آپ نے اس عورت کو چہرہ ڈھانپنے کا حکم نہیں دیا۔ کسی بات کے نقل نہ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ بات سرے سے ہوئی ہی نہیں۔

حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اچانک نظر پڑ جانے کے متعلق عرض کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

«اِصْرِفْ بَصَرَكَ»

''اپنی نگاہ دوسری طرف پھیر لو۔''[1]

❁ رہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث، تو اس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ یہ کس سال کا واقعہ ہے۔ یا تو وہ خاتون ان بوڑھی عورتوں میں سے ہو گی جنھیں نکاح سے کوئی سروکار نہیں ہوتا، تو ایسی خواتین کے لیے چہرہ کھلا رکھنے کی اجازت ہے اس سے دوسری عورتوں پر حجاب کا وجوب ختم نہیں ہوسکتا۔

یا پھر یہ واقعہ آیتِ حجاب کے نزول سے پہلے کا ہے کیونکہ سورۃ الاحزاب (جس میں پردے کے احکام ہیں) 5 ہجری یا 6 ہجری میں نازل ہوئی اور نماز عید 2 ہجری سے مشروع چلی آتی ہے۔

واضح رہے کہ اس مسئلہ میں تفصیل کے ساتھ کلام کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس اہم معاشرتی مسئلے میں عام لوگوں کے لیے شرعی حکم کا جاننا ضروری ہے اور بہت سے ایسے لوگ اس پر قلم اٹھا چکے ہیں جو بے پردگی کو رواج دینا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں نے اس مسئلے میں کما حقہ تحقیق کی نہ غور و فکر سے کام لیا، حالانکہ اہل تحقیق کی ذمہ داری ہے کہ عدل کے تقاضوں کو ملحوظ رکھیں اور ضروری معلومات حاصل کیے بغیر ایسے مسائل میں گفتگو کرنے سے اجتناب کریں۔

---

[1] صحيح مسلم، الآداب، باب نظر الفجاءة، حديث: 2159، و سنن أبي داود، النكاح، باب ما يؤمر به من غض البصر، حديث: 2145

محقق کا فرض ہے کہ مختلف دلائل کے درمیان منصف جج کی طرح عدل و انصاف کے ساتھ غیر جانبدارانہ جائزہ لے اور حق کے مطابق فیصلہ کرے۔ کسی ایک جانب کو دلیل کے بغیر راجح قرار نہ دے بلکہ تمام زاویوں سے غور کرے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ ایک نظریہ رکھتا ہو اور مبالغہ سے کام لے کر اس کے دلائل کو محکم اور مخالف کے دلائل کو بلا وجہ کمزور اور نا قابلِ توجہ قرار دے۔ اسی لیے علماء نے کہا ہے کہ اعتقاد رکھنے سے پہلے اس کے دلائل کا بغور جائزہ لینا چاہیے تاکہ اس کا عقیدہ دلیل کے تابع ہو نہ کہ دلیل اس کے عقیدے کے تابع، یعنی دلائل کا جائزہ لینے کے بعد عقیدہ بنائے نہ کہ عقیدہ قائم کر کے دلائل کی تلاش میں نکل کھڑا ہو۔ کیونکہ جو شخص دلائل دیکھنے سے پہلے عقیدہ بنا لیتا ہے وہ اپنے عقیدے کے مخالف دلائل کو عموماً رد کرتا ہے۔ اگر ایسا ممکن نہ ہو تو ان کی تحریف کا مرتکب ہوتا ہے۔

عقیدہ قائم کر لینے کے بعد دلائل کی تلاش کے نقصانات ہمارے بلکہ سب کے مشاہدے میں ہیں کہ ایسا کرنے والا کس طرح ضعیف احادیث کو بتکلف صحیح قرار دیتا ہے یا نصوص سے ایسے معانی کشید کرنے کی سعی میں مصروف نظر آتا ہے جو اس میں پائے نہیں جاتے، لیکن صرف اپنی بات کو ثابت و مدلل کرنے کے لیے یہ سب کچھ اسے کرنا پڑتا ہے۔

مثلاً راقم نے ایک صاحب کا رسالہ ''پردے کے عدم وجوب'' کے موضوع پر پڑھا۔ اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث جو سنن ابی داود میں ہے جس میں ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا باریک کپڑوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ ''جب عورت سن بلوغت کو پہنچ جائے تو ان اعضاء کے سوا کچھ نظر نہیں آنا چاہیے اور ہاتھوں اور چہرے کی طرف اشارہ کیا۔'' یہ حدیث ذکر کرنے کے بعد مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ یہ حدیث متفق علیہ ہے، یعنی امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ اس کے صحیح ہونے پر متفق ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ امام بخاری اور امام مسلم کا اتفاق کہاں؟ خود اسے روایت کرنے والے امام ابو داود نے اسے مرسل

ہونے کے سبب معطل قرار دیا ہے اور اس کی سند میں ایک ایسا راوی ہے جسے امام احمد اور دوسرے ائمہ حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (تفصیل گزر چکی ہے)

لیکن برا ہو تعصب اور جہالت کا کہ انسان کو ہلاکت و مصیبت میں گرفتار کرا دیتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن القیم رحمہ اللہ نے ''القصیدة النونية'' میں کیا خوب کہا ہے:

وَتَعَرَّ مِنْ ثَوْبَيْنِ مَنْ يَّلْبَسْهُمَا

يَلْقَى الرَّدَى بِمَذَمَّةٍ وَّهَوَانِ

ثَوْبٌ مِّنَ الْجَهْلِ الْمُرَكَّبِ فَوْقَهُ

ثَوْبُ التَعَصُّبِ بِئْسَ الثَّوْبَانِ

وَتَحَلَّ بِالْإِنْصَافِ أَفْخَرِ حُلَّةٍ

زُيِّنَتْ بِهَا الْأَعْطَافُ وَالْكَتِفَانِ

''ان دو کپڑوں سے اپنے آپ کو آزاد کرلو، جو انھیں پہن لیتا ہے ذلیل و خوار ہو کر ہلاکت کے گڑھے میں جا گرتا ہے، ایک کپڑا تو جہل مرکب ہے اور دوسرا تعصب۔ یہ دونوں کپڑے بہت ہی برے ہیں۔ عدل و انصاف کا لباس زیب تن کرو کہ یہی خلعتِ فاخرہ ہے۔ جس سے شانے اور بدن کا ایک ایک حصہ مزین ہو جاتا ہے۔''

ہر مؤلف اور مقالہ نگار کو دلائل کی تلاش اور ان کی چھان بین میں کوتاہی کے ارتکاب سے ڈرنا چاہیے اور بغیر علم کے محض جلد بازی میں کوئی بات کہنے سے کامل اجتناب کرنا چاہیے وگرنہ وہ ان لوگوں میں سے ہوگا جن کے متعلق قرآن حکیم میں یہ وعید شدید وارد ہے:

﴿فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ ٱفْتَرَىٰ عَلَى ٱللَّهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ ٱلنَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ

لَا يَهْدِي ٱلْقَوْمَ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿١٤٤﴾ ﴾

''تو اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ افترا کرے تاکہ علم کے بغیر لوگوں کو گمراہ کرے۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''[1]

اور ایسا بھی نہ کرے کہ ایک طرف دلائل کی تلاش اور تحقیق میں کوتاہی کا مرتکب ہو اور دوسری طرف ثابت شدہ دلائل کو ٹھکرا کر عذر گناہ بدتر از گناہ کا مصداق بنے اور اس زمرے میں داخل ہو جائے جس کے متعلق فرمان ربانی ہے:

﴿ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن كَذَبَ عَلَى ٱللَّهِ وَكَذَّبَ بِٱلصِّدْقِ إِذْ جَآءَهُۥٓ ۚ أَلَيْسَ فِى جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكَٰفِرِينَ ﴿٣٢﴾ ﴾

''تو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولے اور سچی بات جب اس کے پاس پہنچ جائے تو اسے جھٹلائے۔ کیا جہنم میں کافروں کا ٹھکانہ نہیں؟''[2]

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں حق کو حق سمجھنے اور اس کی پیروی کرنے کی توفیق عطا فرمائے، نیز باطل کو باطل سمجھنے اور اس سے مکمل طور پر اجتناب کی ہمت دے اور اپنی سیدھی راہ کی طرف ہدایت دے کہ وہی بخشنے والا مہربان ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ وَسَلَّمَ وَبَارَكَ عَلٰى نَبِيِّهِ وَعَلٰى اٰلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَأَتْبَاعِهِ أَجْمَعِينَ

① الأنعام 6:144

② الزمر 39:32
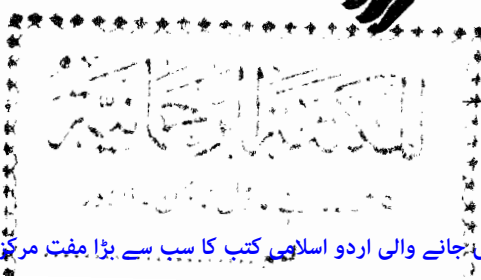
سولھویں سترھویں صدی عیسوی میں جب یورپ میں لادینیت وجدیدیت کی لہر اٹھی تو عورت کو گھر کی چار دیواری سے نکال کر بازار کی رونق، اشتہار کا غازہ اور شمع محفل بنا دیا گیا۔ مغربی تہذیب کے زیر اثر بعض ''روشن خیال اور ترقی پسند'' مسلمانوں نے بھی عورت کی آزادی اور بے پردگی کا پرچار شروع کر دیا۔ اس خطرناک عمل کے تباہ کن اثرات سے بچاؤ کے لیے دارالسلام نے پردے کی اہمیت اور ساتر لباس کی ضرورت اُجاگر کرنے کے تقاضے شدت سے محسوس کیے، چنانچہ محترم حافظ صلاح الدین یوسف مدظلہ کی کتاب ''لباس'' اور فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ کی کتاب ''پردہ'' کی اشاعت کا اہتمام کیا گیا۔ اب یہ دونوں کتابیں ''لباس اور پردہ'' کے عنوان سے یک جا کر کے شائع کی گئی ہیں۔ یوں یہ اپنے موضوع پر ایک جامع اور نافع کتاب بن گئی ہے۔ اس کتاب کا ایک ایک حرف یہ اعلان کرتا ہے کہ اسلام عورت کی عزت وحرمت کا سب سے بڑا نگہبان ہے جو بے حجابی و بے حیائی کا قلع قمع کرتا ہے۔ یہ کتاب ہر مسلمان خاص طور پر ہماری محترم خواتین کو ضرور پڑھنی چاہیے۔ اِس سے ان پر پردے کی ضرورت واہمیت اور فضائل و برکات پوری طرح آشکارا ہو جائیں گے۔

ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور • کراچی
اسلام آباد • لندن • ہیوسٹن • نیو یارک

ISBN 969913449-6
9789699134494